© rasailojaraid.com



# الکاسانی حیات و علمی خدمات

سید عبدالرحمن بخاری

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسی باکمال شخصیات ابھرتی رہی ہیں جنھوں نے زمانے کی عام روش سے ہٹ کر اپنا جادۂ عمل خود تراشا اور علمی یا عملی سطح پر تہذیب اسلامی کے اس شعبے کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا جس کی طرف سے غفلت برتی جا رہی تھی۔ ایسی ہی تاریخ ساز شخصیتوں میں ایک علاؤالدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی ہیں جن کی علمی خدمات کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر میں امت مسلمہ جس نئے اور انقلابی نظام تعلیم و تربیت کی نیو اٹھا رہی تھی اس کی آبیاری کے لیے قدرت نے علماء مصنفین اور مدرسین کا جو ہراول دستہ تیار کیا تھا ملک العلماء کاسانی کو اس میں امتیازی اور قائدانہ مقام حاصل ہے۔

کاسانی کے علمی و اصلاحی مزاج کو سمجھنے اور ان کی فکری و عملی جد و جہد اور انقلابی روش کی افادیت اجاگر کرنے کے لیے اس عہد کی سیاسی اور تمدنی حالت کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

**عہد کاسانی پر ایک طائرانہ نظر:** تاریخی اعتبار سے کاسانی نے چھٹی صدی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کا زمانہ پایا جو اس لحاظ سے بڑا پر آشوب اور پر از واقعات دور ہے کہ اگر ایک طرف سیاسی اضمحلال، تمدنی انحطاط اور فکری اختلال کا آغاز ہے تو دوسری طرف علمی تحریک کا نقطۂ تحول و انقلاب اور تیسری جانب احیاء اسلام اور ملی تشخص کی بحالی کے لیے ہر شعبۂ حیات میں تجدیدی خدمات انجام دینے والی بیسیوں مایۂ ناز ہستیوں کے وجود سے درخشاں عہد ہے۔ ذیل میں اس عہد کی علمی، تمدنی اور سیاسی حالت کا ایک اجمالی سا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

**سیاسی نکبت وادبار:** پانچویں صدی ہجری کے آخر میں دنیائے اسلام کے سیاسی زوال کا عمومی دور شروع ہو چکا تھا اگرچہ بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقتدار کا سلسلہ اندلس سے ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرونی طور پر حالات نہایت خراب اور ناگفتہ بہ تھے۔ عالم اسلام تین مرکزی خلافتوں اور بیسیوں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم تھا جن کے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہو چکے تھے۔ خلافت بغداد کا شیرازہ بکھر چکا تھا سلجوقی اور دیگر ماتحت سلاطین خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے۔ جس سلطان کی طاقت بڑھ جاتی بغداد میں اسی کا خطبہ شروع ہو جاتا۔ اندلس میں اموی خلافت کی مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کریں۔ افغانستان و ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں محمود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور ہندو راجے مہاراجے اپنی سابقہ شکستوں اور ذلتوں کا انتقام لینے کے لیے صلاح مشورے کر رہے تھے۔ مصر میں سلطنت باطنیہ، فاطمیہ جسے سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دولت خبیثہ کے نام سے پکارا ہے الحاد اور بے دینی کے نظریات پھیلاتے اپنے انجام بد سے قریب تر ہو چلی تھی غرض ہر طرف ایک ہولناک انتشار اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اور نکبت وادبار کے منحوس سائے ملت اسلامیہ پر چھا رہے تھے۔ خود کاسانی کا شہر اقامت حلب پیہم سیاسی انقلابات، چپقلشوں اور سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا شام و حلب کے حکمران مسلسل تباہ کن خانہ جنگیوں کے بعد اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ فرنگیوں کے اس حملے کا مقابلہ نہ کر سکے جو صلیبی جنگوں کا نقطۂ آغاز بنا چنانچہ بیت المقدس پر قبضہ کر لینے کے بعد صلیبی عساکر عراق و حجاز پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے یوں مسیحی دنیا کی متحدہ قوت اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دینے پر تلی ہوئی تھی۔ یہ تمام الم انگیز واقعات کاسانی کی نگاہوں کے سامنے گزر رہے تھے ان کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علیحدہ اور دور رہا ہو لیکن تمام دیگر حساس اور پرسوز دلوں کی طرح اپنے شعور و احساس کے ساتھ وہ بھی اس آگ میں جل رہے تھے اور اس سوز دروں نے انہیں پوری ہمت و قوت اور خلوص کے ساتھ اسلام کو بطور ایک نظام مدنیت کے زوال و انحطاط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کی ان ہر لمحہ پھیلتی گھٹاؤں سے بچانے اور تہذیب اسلامی کے علمی اور شرعی سرمائے کو محفوظ رکھنے کے لیے مصروفِ عمل کردیا۔

**تمدنی انحطاط اور زوال سیرت:** سیاسی زوال ہمیشہ عمرانی نظام کے اضمحلال و اختلال کا سبب بنا کرتا ہے چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں سیاسی انحطاط کے پہلو بہ پہلو تمدنی اور سماجی ادارے بھی ضعف و انحلال کا شکار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جملہ معاشرتی اداروں کے ارکان کا طرز عمل ضبط و انقیاد سے نکل کر انحراف کی راہ پر چل پڑا تھا۔ عوام پر دنیادارانہ زندگی کا رجحان غالب ہوگیا تھا معاشرہ میں طبقاتی تقسیم، گروہی امتیازات اور قبائلی عصبیت و منافرت نے عام سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی میں انتشار و افتراق کے مہیب سائے پھیلا دیئے تھے خلافت عباسیہ اور دیگر سلطنتوں کے ضعف و انحطاط نے عقلی بے یقینی کی فضا کو جنم دیا کیونکہ آزادی پسند اور مقتدر طبقہ محکوم اور تقوی شکن طبقہ مقتدر و حاکم بن بیٹھا، عوام سے اطاعت کے مطالبہ کا جذبۂ محرکہ بہبودیٔ عوام کی بجائے ہوس اقتدار ٹھہرا۔ امراء و سلاطین مصلحتوں کے ساتھ سازگاری کرنے لگے علماء کا شیوہ بھی ایسا ہی شاہ پرستانہ ہوگیا۔ عقیدہ، علم اور عمل میں باہمی سازگاری ختم ہوگئی کہ فقہاء نے حرفیت پرستی کو اپنا لیا عوام کے اندر احکام شرعیہ کی بجاآوری میں اخلاص عنقا ہوگیا اور لفظ قانون کی پیروی پر اکتفا کرلیا گیا تو ہمہ گیر زوال سیرت کا آغاز ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اس زوال سیرت کے اثرات انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلتے چلے گئے تا آنکہ علماء اور مصلحین کی ایک جماعت اس احساس سے سرشار ہوکر کہ امت کو زوال سیرت سے نکالا جائے علم و عمل کے ہر میدان میں مصروف کار ہوگئی۔

**فکری انتشار اور لادینی افکار کا فروغ:** تاریخ اعتبار سے کاسانی کا زمانہ اسلامی تعلیمات کے زوال و اضمحلال کا دور تھا۔ یونانی فلسفہ اور علوم کے فروغ سے اسلامی دنیا میں عقلیت اور مادیت کا ایک طوفان آگیا تحریک اعتزال اسلام میں مادیت اور عقلیت محصنہ کی نمائندہ تحریک تھی جو مسلمانوں کے عقائد میں تذبذب، ایمان میں شک اور ذہن میں خلش ابھار رہی تھی اس عقلیت کے ساتھ ساتھ "وضعیت" کا طوفان بھی آنا ناگزیر تھا وضعیت کا سب سے برا اثر یہ ہوتا ہے کہ مذہب کی آواز دل تک نہیں پہنچتی اور جب دل ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



متاثر نہ ہو تو مذہب کی حقیقی روح سے آشنا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس عقلیت و وضعیت کے مہلک اثرات نے مسلمانوں کی دینی زندگی کے کسی گوشے کو نہیں بخشا ارسطو کے کلیات، دین کے محکمات پر حکم بننے لگے، محبت و ذوق کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی اور نیکی کا تصور مضمحل اور متغیر ہونے لگا۔

عہد کاسانی میں ایک طرف عقلیت و اعتزال کا یہ فتنہ عروج پر تھا تو دوسری طرف باطل تصورات اور لادینی نظریات کا فروغ عام تھا مصر کی فاطمی سلطنت کے زیر اثر شیعی اور باطنی رجحانات روز بروز زور پکڑتے جا رہے تھے تو اسلامی خلافت کی سیاسی کمزوری کے باعث عیسائیت اسلام پر حملہ آور ہو چکی تھی اور اس طرح علمی، فکری اور معاشرتی طور پر اسلامی دنیا میں عیسائیت کے افکار و معتقدات پھیل رہے تھے۔

ان مذکورہ عقلی و مذہبی فتنوں کے ساتھ ساتھ تصوف کی تحریک بھی ایک انتہا پسندانہ انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اقبال رقمطراز ہیں: "تصوف مذہبی حیثیت سے فقہاء کی دور از کار موشگافیوں کے خلاف ایک ردعمل تھا، عقلی حیثیت سے تصوف عقلیت اور آزاد خیالی کا حامی ہو گیا فقہاء کی ظاہر پرستی سے بیزار ہو کر صوفیاء نے ظاہر و باطن کے امتیاز پر اس قدر زور دیا کہ شریعت کے ظاہری پہلو کی طرف سے تغافل نمودار ہو گیا اور باطن میں غوطہ زنی صوفیاء کو عالم محسوسات سے دور لے گئی اور اسلامی مملکت اور تہذیب و تمدن ادنیٰ درجے کے لوگوں کے ہاتھ آکر تغیر و ترقی سے محروم ہو گئے۔"[۱] یوں عہد کاسانی ہمیں شریعت و طریقت کی چپقلش اور صوفیاء و فقہاء کی آویزش کا عہد نظر آتا ہے جس کے منفی اثرات سوسائٹی کی مجموعی علمی اور عملی زندگی پر مرتب ہو رہے تھے ان بگڑے ہوئے حالات میں ایسے عالی ہمت اور اولوالعزم اشخاص کی ضرورت تھی جن کی قوت و بصیرت کی حدود علمی موشگافیوں، فلسفیانہ توجیہوں اور فقہی نکتوں پر ہی پھیلی ہوں نہ ہوں بلکہ ان میں عشق و سرمستی اور معرفت و آگہی کی وہ برقی لہریں بھی موجزن ہوں جو مردہ دلوں کو زندگی بخشتی اور طاغوتی طاقتوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہیں چنانچہ قدرت نے اس دور میں غزالیؒ، غوث اعظم جیلانیؒ، ابن رشدؒ، الکاسانیؒ، ابن الجوزیؒ، الشیرازیؒ، ابن العربیؒ، اور قاضی خان ایسے بیسیوں

---

[۱] اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص ۲۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



باکمال نفوسِ قدسیہ کا انتخاب کیا جنہوں نے ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وراثت کو سنبھالا اور علوم و مسائل میں اپنی فکرِ تازہ اور مجتہدانہ قابلیت سے کام لے کر مسلمانوں میں نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا کر دی تو دوسری طرف اپنے غیر معمولی یقین، روحانیت، بے غرضی و ایثار اور اپنی اعلیٰ دماغی و قلبی صلاحیتوں سے اسلام کے تنِ مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی اور اس کے پیرو کاروں میں نیا اعتماد، جوش اور قوتِ عمل پیدا کر دی۔

**علمی و فقہی ارتقاء اور عہدِ کاسانی:** اسلام ایک عقلی و علمی دعوت ہے جس کا مبدأ و منتہا علم ہے بقول اقبال "اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے"[1] چنانچہ اسلام میں علم کو غیر معمولی بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاہِ عامہ کی خاطر بے غرض حصولِ علم اور بے لوث اشاعتِ علم کو بے حد سراہا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر علم کی ایک آفاقی تحریک ابھری جو دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک قرار پائی یہ تحریک انہی راستوں پر آگے بڑھی جو مسلمانوں نے اپنے دینی منبع قرآن کریم کے مطالعہ اور احکام الٰہی کی پیروی میں اختیار کیے اور قرآن ہی کے عظیم اصولوں کے مطابق اس نے عالمگیر اثرات پیدا کیے اور باوجودیکہ اندرونی فتنوں اور بیرونی حملہ آوروں نے بار بار اس تحریک کو تہ و بالا کیا مگر قرآن اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے نفوذ کی وجہ سے یہ تحریک ہر بار خود کو از سرِ نو منظم کرنے میں کامیاب ہو جاتی رہی۔ یورپ کے مستشرقین اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر کے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی اور علمی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اور علمی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں"[2] ہالینڈ کے ایک فاضل Fred Lokke Gaard نے دبے انداز میں اس پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ "گو اسلام کا سیاسی زوال بار رہا ہوا لیکن روحانی اور علمی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا" اس کی وجہ ہمیشہ یہ رہی کہ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی

---

[1] اقبال: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ،

[2] ہسٹری آف عربز، ص ۴۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مشکل مقام آیا علماء اور مصلحین کی ایک ایسی جماعت سامنے آگئی جس نے بصیرت و سلمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا اور اسلام کی عظمت و سربلندی اور ملی تشخص کی بحالی کے لیے تجدید و احیاء کی تدابیر اختیار کیں۔

فاضل روزنتال نے اپنی کتاب Knowledge Truimphanl میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا ہے": اسلام نے علم پر اتنا ہمہ جہت زور دیا ہے کہ اس کے زیر اثر قرون وسطی کی اسلامی تہذیب و ثقافت نے بڑے بڑے علماء اور مفکرین پیدا کیے، یہ اسلامی تہذیب کا ایسا کارنامہ ہے جس کی فیض رسانی سے عالم انسانیت تا ابد مستفید ہوتا رہے گا اور عالم کو جو مرکزی اہمیت اسلامی تہذیب نے دی ہے اس کی نظیر کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی لہ

عہد کاسانی میں یہ علمی تحریک عروج و کمال کی منزلیں طے کر چکی تھی کہ عباسی عہد عروج میں بیت الحکمت کا قیام اور یونانی و خارجی علوم کی اشاعت، نیز تصوف کے مختلف دبستانوں کے ظہور کی وجہ سے اور فقہ و عقائد کی تدوین کے باعث علم کی ماہیت، اس کی تحصیل و تعلیم کے طریق کار اور غایات و اقسام کے بارے میں تمام بنیادی تصورات و نظریات فروغ پا چکے تھے علوم عربیہ، علوم شرعیہ، کلام، تصوف و اخلاق اور تاریخ وغیرہ کی باقاعدہ تدوین ہو گئی تھی تدریس کے سلسلے بھی منظم ہو چکے تھے اور علم کے مختلف فروع اور اہم نزاعی مسائل پہ باقاعدہ کتابیں بھی سامنے آچکی تھیں۔ چنانچہ اس دور میں علم کی اشاعت برابر ترقی پر تھی۔ ہر فن کے ماہر اساتذہ، مایہ ناز مفکر اور قوی الاستعداد عالم موجود تھے بڑے بڑے تعلیمی حلقے تدریسی ادارے اور کتب خانے قائم تھے جن میں اطراف عالم کے طلبہ علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کی تعلیم پاتے تھے۔ ہر فن میں بڑی بڑی جلیل القدر کتابیں تصنیف ہو رہی تھیں لیکن چند شخصیتوں اور علمی کارناموں کو مستثنیٰ کر کے اس دور کے علم اور تصنیف و تالیف میں وسعت زیادہ اور عمق و گہرائی کم تھی۔ غور و فکر کی بجائے نقل و اقتباس کا ذوق غالب تھا۔ دماغ تھکے تھکے اور طبیعتیں بجھی بجھی سی نظر آتی تھیں۔ سینکڑوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناموں میں سے ایک ایسے شخص کا ملنا مشکل ہے جس پر عبقری کا اطلاق درست ہو جس نے کسی موضوع پر نئی چیز پیش کی ہو یا کسی خاص علم و فن میں کوئی گرانقدر اضافہ کیا ہو۔

باقی رہیں فقہی سرگرمیاں تو سیاسی اضمحلال اور فکری و تمدنی انحطاط کے زیر اثر فقہ میں آزادی و استقلال کی روح ضعیف ہو گئی اور اس کے بدلے علماء اور عوام سبھی پر تقلید محض کی روح چھا گئی[1] اجتہاد مستقل کا دروازہ بند ہو گیا اور فقہاء جمود کا شکار ہو گئے۔

صبحی محمصانی لکھتے ہیں۔

ثم تقهقرت المدينة العربية شيئا فشيئا واصابها الجمود في جميع نواحيها فاستتبع ذلك تغشي التقليد وتوقف الاجتهاد في الفقه[2]

یعنی پھر عربی تمدن کو تدریجا ادبار آ گیا اور ہر طرف جمود چھا گیا اس سے تقلید پھیل گئی اور فقہی اجتہاد رک گیا اس فقہی جمود[3] اور بندش اجتہاد کے بہت سے اسباب بیان کیے گیے ہیں جن میں

---

[1] الخضری: تاریخ التشریع الاسلامی، عربی، ص ۳۳۲۔

[2] محمصانی: فلسفۃ التشریع فی الاسلام، ص ۳۶

[3] یہ جمود بحیثیت علم و فن فقہ اسلامی کا جمود نہیں بلکہ دراصل فقہاء کا جمود تھا جو وقتی طور پر فقہی جمود کا روپ میں عقیدۂ تقلید سے تقویت پا کر مسلم معاشرے میں سرایت کرتا چلا گیا تا آنکہ یہ سمجھا جانے لگا کہ چونکہ فقہ اسلامی کے جملہ امکانات انہی فقہاء کے ہاتھوں میں ہیں اس لیے فقہاء کا جمود فقہ اسلامی کا جمود ہے مگر وہ حقیقت یہ ہے کہ ایک علم و فن کی حیثیت سے فقہ اسلامی کے امکانات زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں اور اس کے اصول و کلیات اور اجزائے ترکیبی میں ثبات و تغیر دونوں عنصر متوازی حیثیت میں موجود ہیں اگر فقہ کی اساس یعنی اجتہاد کا جواز مسلم اور عصری تقاضوں سے اس کی ہم آہنگی کی ضرورت کا احساس بلکہ یقین موجود ہے تو فقہ اسلامی جمود کا شکار نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں فقہی جمود اور فقہاء کے جمود کی باریک تفریق و تقسیم ناگزیر ہے اور یہ قرار دینا ضروری ہے کہ ہر بندش اجتہاد کی بنیاد دراصل فقہاء کا جمود ہے نہ کہ فقہ اسلامی کا جمود۔ علامہ فرید وجدی بجا طور پر لکھتے ہیں: لما طرا على المسلمين الجمود الاجتماعي و تولاهم القصور على فهم اسرار شريعتهم ستروا ذالك القصور بدعوى انسداد باب الاجتهاد والحقيقة انه مفتوح بنص الكتاب والسنة الى يوم القيامة۔

(دائرہ معارف القرآن العشرین ۳۱: ۱۹۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


فقہاء مابعد کی عصری تقاضوں سے روگردانی، گروہ بندی اور مسلمانوں کے سیاسی اور فکری و اخلاقی انحطاط کے علاوہ اہلیت اجتہاد کے فقدان، نااہل افراد کے دین سے تلاعب اور حکمرانوں کی فقہ سے بے رغبتی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

الغرض عہد کاسانی میں دیگر علوم و فنون کی طرح فقہ اسلامی میں بھی آزادی و استقلال کی روح منقود ہوتی جارہی تھی اور فقہاء کی علمی و اجتہادی اور تصنیفی و تدریسی کاوشوں پر نقل و اقتباس تقلید وظاہریت اور تعطل و جمود کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

## الکاسانی ــــ مختصر سوانحی خاکہ

اسلامی تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ مؤرخین نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں خود کو کچھ اس طرح گم کر دیا کہ ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار شاہی اور میدان جنگ ہی سے عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔ مذہبی تذکرہ نویسیوں اور علمی سوانح نگاروں نے اسلاف کا تذکرہ کچھ اس انداز سے لکھا کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے معماروں کے حقیقی خد و خال ہی علمی مناظروں، تدریس و افتاء کی مجمل حکایتوں اور خوارق و کرامات کی چند بے معنی داستانوں میں چھپ کر رہ گئے۔ چنانچہ ماحول کے صحیح تناظر میں ان کی تہذیبی خدمات کو دیکھا جا سکا نہ انسانیت کی سطح پر ان کی علمی و کرداری بلندی کا اندازہ لگایا جا سکا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ان معماران ملت کے حالات و خدمات کا بنی نوع انسان اور ملت کی ضروریات کے آئینہ میں تفصیلی جائزہ لیا جائے تاکہ ان کے صحیح خد و خال اجاگر ہو سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک علمی اور مذہبی تحریک کے اسلام کا مطالعہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین رض اور صحابہ کرام رض کے بعد انہی نفوس قدسیہ کی حیات طیبہ کے گرد گھومتا ہے اس طرح علماء کرام اور صوفیاء عظام اسلام کی دینی اور ملی تاریخ کا جزو لاینفک ہو کر رہ گئے ہیں ان کی سیرت کے مطالعہ کے بغیر نہ صرف اسلام کی مذہبی تاریخ میں ایک خلاء پیدا ہو جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


بلکہ اسلام کے دینی اور فکری و تہذیبی نشو و نما کا صحیح مطالعہ ہی ناممکن بن جاتا ہے۔ مگر ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ تاریخ کی کتابیں بڑے بڑے سلاطین سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے حکمرانوں اور والیان ریاست بلکہ امراء اور وزراء و اعیان سلطنت تک کے حالات اور واقعات زندگی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی جنگوں اور خانہ جنگیوں تک کے واقعات اور جزئیات بھی پوری وضاحت سے بیان کرتی ہیں لیکن تہذیب و تمدن کے بڑے بڑے معماروں اور امت کی فکری و دینی قیادت اور رہنمائی کرنے والے علماء کرام، فقہاء عظام اور صوفیاء کرام کی سیرت و سوانح کے بارے میں بڑی معنی خیز خاموشی اور سکوت اختیار کر لیتی ہیں اور اگر بر سبیل تذکرہ کسی عالم، فقیہ یا صوفی کا نام آ ہی جائے تو صرف ایک سرسری سا اشارہ کر کے آگے گزر جاتی ہیں۔ ہمارے ممدوح ملک العلماء علاء الدین ابوبکر الکاسانی بھی اسی تأسف انگیز غفلت اور بے اعتنائی کا شکار رہیں کس قدر جلیل القدر علمی اور فقہی شخصیت ہے مؤرخین اور سوانح نگاروں کے کتنے بڑے تغافل اور تساہل کا شکار ہو کر آئندہ نسلوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے؟ اور تو اور طبقات الحنفیہ پر لکھنے والے مصنفوں اور اعلام کے تذکرہ نگاروں کے لیے بھی ملک العلماء کی ذات صرف اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے کہ دو چار سطریں یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ صفحہ لکھ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس افسوسناک روش کی وجہ کہیں معاصرانہ رقابت اور اس کے سلبی اثرات تو نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جس پر حال کے مؤرخین، سوانح نگاروں اور تہذیبی ارتقاء کا جائزہ لینے والوں کو سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی، جنہیں غلطی سے الکاشانی بھی کہا جاتا ہے۔[۵۱] علاء الدین اور ملک العلماء کے لقب سے ملقب تھے۔ ان کی نسبت کاسان سے ہے جو فرغانہ میں دریائے سیحون کے شمالی قصبے الشاش سے پرے واقع ہے۔[۵۲] تاریخ ولادت کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی ان کے سوانحی تذکروں میں کوئی ایسا واضح قرینہ دستیاب ہو سکا جس سے ان کی عمر یا تاریخ پیدائش کا

---

۵۱ ابن قطلوبغا: تاج التراجم: ص ۸۴۔

۵۲ المستوفی: نزہتہ القلوب: ص ۲۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اندازہ لگایا جاسکے تاہم ان کی تاریخ وفات ۱۰ ررجب ۵۸۷ھ طے شدہ ہے جس کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ الکاسانی چھٹی صدی ہجری کے اوائل یا پانچویں صدی کے بالکل اواخر میں پیدا ہوئے۔

علمی شخصیات کی تشکیل میں اساتذہ بڑا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور اس اعتبار سے الکاسانی کی خوش بختی قابل رشک ہے کہ انہیں اپنے وقت کے عظیم فقیہ علاؤالدین محمد بن احمد بن ابی احمد السمرقندی سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا اور اگرچہ آپ کے اساتذہ میں ابوالمعین میمون مکحولی اور مجد الائمہ سرخکی کے نام بھی ملتے ہیں تاہم فقہ کی تعلیم زیادہ تر محمد بن احمد السمرقندی ہی سے حاصل کی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ الکاسانی کی شخصیت اور فکر و اسلوب پر السمرقندی کی گہری چھاپ نظر آتی ہے

علامہ کاسانی اپنی خداداد صلاحیتوں، بلند ہمتی اور مسلسل محنت کے ذریعہ بہت جلد اپنے معاصر علماء و فقہاء سے سبقت لے گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کم ظرفوں کی طرف سے حسد و عداوت کا معروض بن گئے۔ خود کہتے ہیں ؎

سبقت العالمین الی المعالی     بصائب فکرۃ و علوھمہ

ولاح بحکمتی نوری الھدی فی     لیال بالضلالۃ مدلھمۃ

یرید الجاحدون لیطفؤہ     فیابی اللہ الا ان یتمہ (۲)

تاہم الکاسانی کی اعلیٰ ذہانت و فطانت، علمی بصیرت اور فکری اصابت سے ان کے استاد علاؤالدین السمرقندی اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی انتہائی زیرک، عالمہ و فقیہہ بیٹی فاطمہ جو بے پناہ ظاہری جمال و رعنائی کے ساتھ ساتھ علم و تقویٰ کے اعتبار سے اس مقام رفیع پر فائز تھیں کہ ایک درجے میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا۔ سے علامہ کاسانی کی شادی کر دی اور ان کی کتاب بدائع الصنائع کو تحفۂ عروسی (مہر) قرار دیا، الجواہر المضیئۃ وغیرہ کی تصریح یہ ہے کہ:

"وزوجہ شیخہ بنتہ الفقیہۃ العالمۃ... وسبب تزویجہ بابنتہ

---

لہ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ: ص ۲۵۶-

۲ے ابن قطلوبغا: تاج التراجم: ص ۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شیخہ انھا کانت من حسان النساء وکانت حفظت التحفۃ تصنیف والدھا وطلبھا جماعۃ من ملوك بلاد الروم فامتنع والدھا، فجاء الکاسانی ولزم والدھا واشتغل علیہ وبرع فی علم الاصول والفروع وصنف کتاب البدائع وھو شرح التحفۃ وعرضہ علی شیخہ فازداد فرحا بہ وزوجہ ابنتہ وجعل مھرھا منہ [1]

یعنی علامہ سمرقندی کی بیٹی فاطمہ حسن وجمال میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ عالمہ اور فقیہ بھی تھی اپنے والد کی تصنیف تحفۃ الفقہاء کی حافظہ تھی۔ بلاد روم کے کئی شاہوں نے اس سے شادی کی درخواست کی مگر السمرقندی نے انکار کر دیا پھر جب ابوبکر الکاسانی آئے اور علامہ سمرقندی سے حصول علم وفیض میں مشغول ہو گئے اور علم اصول وفروع میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد اپنے شیخ کی تصنیف تحفۃ الفقہاء کی شرح بدائع الصنائع کے نام سے لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کی تو علامہ سمرقندی بہت خوش ہوئے اور اپنی دختر فاطمہ کا ان سے نکاح کر دیا اور کتاب بدائع کو مہر قرار دیا۔

علامہ کاسانی نہایت وجیہ شجاع اور خوددار عالم دین تھے۔ ابتداء میں وہ سلجوقی دربار سے وابستہ تھے لیکن ایک بحث کے دوران حمیت مذہبی کی بناء پر فریق مقابل کو سرزنش کرنے کے بعد دربار سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہوا یوں کہ بلاد روم کے فقیہ سے مسئلہ تصویب مجتہد پر مناظرہ ہوا وہ فقیہ لاعلمی کی بناء پر اس امر پر مصر تھا کہ امام ابوحنیفہؒ ہر مجتہد کو مصیب قرار دیتے ہیں۔ علامہ کاسانی اس کی فکری لغزش پر تنبیہ کرتے رہے اور بار بار صحیح حوالوں سے بتاتے رہے کہ امام صاحبؒ کا موقف یہ ہے کہ حق واحد ہے اور ایک مسئلہ کے دو متضاد احکام میں ایک ہی رائے صائب ہوگی اس کے برعکس ہر مجتہد کی تصویب معتزلہ کا موقف ہے وہ فقیہ اپنی غلط رائے پر ہٹ دھرمی سے جما رہا اور تلخ کلامی پر اتر آیا تو علامہ کاسانی نے غیرت مذہبی اور احقاق حق کی شدید احتیاط میں اس کی سرزنش کر دی اور دربار سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد سلجوقی حکمران نے اپنے وزیر کے مشورے سے علامہ کاسانی کو حلب میں نورالدین زنگی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیج دیا جہاں ان کا بڑی تعظیم وتکریم سے خیر مقدم کیا گیا [2]

---

[1] القرشی: الجواہر المضیئۃ: ج ۲ ص ۲۴۴

[2] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: ج ۱۷ ص ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بعدازاں نورالدین زنگی نے علمائے حلب کی درخواست پر علامہ کاسانی کو رضی الدین السرخسی کے بجائے مدرستہ الحلاویہ میں معلم کی حیثیت سے مامور کردیا۔ ابن قطلوبغا اور طاش کوپروزادہ کا بیان ہے کہ انہیں یہ منصب تدریس السرخسی کی وفات کے بعد ملا[1] لیکن دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے ابن العدیم کی تاریخ حلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ علامہ کاسانی کو رضی الدین السرخسی کی جگہ ان کی زندگی ہی میں منصب تدریس پر مقرر کیا گیا کیونکہ طلبہ السرخسی سے قوت بیان میں ایک نقص کی وجہ سے بہت غیر مطمئن تھے[2]

اس رائے کی طاش کوپروزادہ کے اس بیان سے بھی ہوجاتی ہے کہ نورالدین نے السرخسی کو ایک غلطی کی بناء پر مدرسہ الحلاویہ کی تدریس سے معزول کردیا تھا اور وہ دمشق جاکر مدرسہ الخاتونیہ میں معلم کی حیثیت سے فرائض انجام دینے لگے[3] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کاسانی کو مدرستہ الحلاویہ میں منصب تدریس السرخسی کی معزولی کے بعد ان کی زندگی ہی میں مل گیا تھا۔ مدرستہ الحلاویہ کے طلبہ علامہ کاسانی سے بہت خوش تھے اور ان سے حصول علم کے اس قدر مشتاق تھے کہ بقول القرشی اپنے استاد الکاسانی کے لیے سجادہ بچھاکر سارا سارا دن ان کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک کہ وہ آجاتے اور درس دیتے تو نہایت سکون واطمینان سے طلبہ پڑھتے[4]

ابن العدیم نے احمد بن یوسف الانصاری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ علامہ کاسانی نے ایک موقع پر اپنی اہلیہ کے مشورہ سے حلب سے واپس اپنے وطن روم کی جانب لوٹنے کا ارادہ کرلیا نورالدین کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی اہلیہ کے پاس ایک خادمہ کو بھیجا تاکہ انہیں یہیں حلب میں قیام پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ نورالدین زنگی کی درخواست پر فاطمہ وہیں رہنے پر آمادہ

---

[1] تاج التراجم، ص ۸۴، مفتاح السعادہ، ج ۲ ص ۱۳۸

[2] دائرہ معارف اسلامیہ، اردو ج ۱۷، ص ۱۶۔

[3] طاش کوپرزادہ: مفتاح السعادۃ، ج ۲، ص ۱۳۷، نیز دیکھیے الجواہر المضیئۃ، ج ۲ ص ۲۴۵۔

[4] القرشی: الجواہر المضیئۃ، ج ۲ ص ۲۴۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہوگئیں اور یوں علم و فقاہت کے یہ دونوں ستارے وفات تک آسمان حلب پر چمکتے رہے۔

الکاسانی ایک نہایت ثقہ اور صحیح الاعتقاد عالم تھے معتزلہ اور اہل بدعت کا اکثر رد کرتے رہتے تھے اس سلسلے میں ایک مایۂ ناز کتاب "السلطان المبین فی اصول الدین" بھی تصنیف کی جو اب نایاب ہے۔ ایک بار آپ دمشق پہنچے تو وہاں کے فقہاء آپ سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے آپ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں گفتگو نہیں کروں گا جس کی طرف امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے کوئی ایک بھی گیا ہوگا جو ان فقہاء نے بہت سے مسائل بیان کیے مگر آپ نے ہر مسئلہ میں دلائل سے ثابت کر دیا کہ اس طرف امام اعظمؒ کے فلاں فلاں اصحاب گئے ہیں۔ چنانچہ اس پر مناظرہ ختم ہوگیا[1]

علامہ کاسانی کا انتقال حلب میں بتاریخ ۱۰ رجب ۵۸۷ھ اگست ۱۱۹۱ء اتوار کے روز ہوا۔ ضیاء الدین محمد بن حیش الحنفی کہتے ہیں کہ میں موت کے وقت الکاسانی کے پاس موجود تھا اس وقت وہ سورۂ ابراہیم پڑھ رہے تھے جب آیۂ کریمہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ پر پہنچے تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اور حلب کے قبرستان ظاہریہ میں مقام ابراہیم خلیل اللہ میں اپنی بیوی فاطمہ کے پاس مدفون ہوئے[2] آپ کو اپنی بیوی سے بے پناہ محبت تھی جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کا دستور تھا کہ ہر جمعرات کو ان کی قبر کی زیارت کرتے اب حلب میں ان دونوں کی قبریں زیارت گاہ اور مستجاب الدعوات ہیں اور لوگوں میں خاوند بیوی کی قبر کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی تاریخ وفات "آفتاب زمانہ" ہے[3] رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

## الکاسانی — شخصیت و کردار (ایک حیاتیاتی اور نفسیاتی جائزہ):

الکاسانی کا مختصر سوانحی خاکہ بیان

---

۱ھ القرشی: الجواہر المضیئۃ، ج ۲ ص ۲۴۵۔

۲ھ ابن قطلوبغا: تاج التراجم، ص ۸۵۔

۳ھ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، ص ۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کرنے کے بعد اب ہم ان کی شخصیت و کمر دار کا حیاتیاتی اور نفسیاتی پہلوؤں سے ایک کلی اور عمومی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ کیوں کہ کاسانی کی علمی اور عملی خدمات کی وقعت اور افادیت جاننے کے لیے پہلے خود اس کی شخصیت کی نفسیاتی اور عمرانیاتی تشریح ضروری ہے اس لیے کہ کسی ذات کا وجود دنیا میں از خود نہیں ہو جاتا بلکہ ہر فرد بشر کی شخصیت اس کی حیاتی تعمیرات، تمدنی مہیجات اور تہذیبی پیداوار کی اساس پر استوار ہوتی ہے خواہ وہ اپنی فطرت خام میں کتنا ہی جدت و خلاقیت کی صلاحیت سے بہرہ ور کیوں نہ ہو؟

کاسانی کی شخصیت کی تعمیر میں حکیم مطلق کی مشیت نے معجز نما فیاضی سے کام لیا ہے اس کی ذات میں ایک طرف ترکستان، بغداد اور شام کے کلچر کی لہریں ہم آغوش ہیں تو دوسری طرف علوم عقلیہ و نقلیہ اور بیانیہ کا حسین امتزاج ہے اور تیسری طرف زہد و ورع، عدالت و اخلاص اور جذب اندروں سے بھی پوری طرح سرشار ہے۔ ذیل میں ہم الکاسانی کی شخصیت کے مادی ترکیبی عناصر و ہبی ذہنی روحانی خصائص اور تربیتی و اکتسابی اوصاف بالاختصار بیان کریں گے۔

**شخصیت کاسانی کے مادی ترکیبی عناصر:** الکاسانی کی شخصیت کی مادی تعمیر و ترکیب میں حسب ذیل عناصر کی کارفرمائی ہے

**۱۔ اقلیمی عناصر:** الکاسانی کی نسبت شہر کاسان سے ہے جہاں غالباً ان کی ولادت ہوئی۔ کاسان دریائے سیحوں کے جانب شمال، شاش سے پرے، اقلیم فرغانہ کا ایک بہت بڑا شہر تھا جو بہت سی بستیوں پر مشتمل، نہایت حسین، آبادی سے معمور اور پر رونق قصبہ تھا لیکن بعد میں ترکستانیوں کے متواتر حملوں کے باعث ویران سا ہو گیا تقویم البلدان میں آیا ہے:

قال ابن حوقل کاسان اسم لمدینة واسم الناحیة ایضا ولها قری کثیرة۔ وقال احمد الکاتب وکاسان هی قصبة فرغانة وهی مدینة جلیلة القدر۔ وقال فی اللباب هی بلدة وراء الشاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ویحتمل صدق الکلامین وهو ان یکون وراء الشاش وهی من فرغانة لان اقلیم فرغانة وراء اقلیم الشاش۔ وقال فی المشترك وکاسان مدینة وراء نهر سیحون فی تخوم بلاد ترکستان خربت باستیلاء الترك و اختلاف الایدی علیها وکانت من محاسن الدنیا اهلا ورقعة [1]

ترجمہ: یعنی ابن حوقل کے بقول کاسان ایک شہر کا نام ہے اور اس پوری سمت کا جو بہت سی بستیوں پر مشتمل ہے احمد الکاتب کے مطابق کاسان، فرغانہ کا قصبہ اور جلیل القدر شہر ہے اور اللباب میں ہے کہ وہ الشاش سے پرے واقع ہے اور یہ دونوں باتیں درست ہیں کہ کاسان شاش سے پرے اور اقلیم فرغانہ کا قصبہ ہے کیونکہ فرغانہ اقلیم شاش کے پیچھے واقع ہے اور المشترک میں ہے کہ کاسان نہر سیحون کے خلف میں ہے بلاد ترکستان کا شہر ہے جو اب ترکوں کے استیلاء اور بار بار کے حملوں سے ویران ہو گیا ہے لیکن پہلے آبادی اور باشندوں کے حسن ذوق کے باعث دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے تھا۔

حکمائے ارضیات نے معمورۂ عالم کو شمال سے جنوب تک سات حصوں میں تقسیم کیا ہے ہر حصہ کو اقلیم کہا جاتا ہے اور ہر اقلیم بہت سے حصوں پر مشتمل ہے۔ مذکورہ تصریحات کی روشنی میں الکاسانی کا شہر کاسان تیسری اقلیم کے آٹھویں حصے میں واقع ہے۔ اور ابن خلدون کے بقول تیسری اقلیم موسم اور آب و ہوا کے اعتبار سے معتدل اقلیم ہے اس کے ساتھ چوتھی اور پانچویں اقلیمیں بھی بحیثیت مجموعی معتدل متصور ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ زمین کا درمیانی حصہ ہے کہ جنوب میں انتہائی گرمی اور شمال میں انتہائی سردی پڑتی ہے اور درمیانی حصہ میں دونوں طرف سے بتدریج گرمی اور سردی گھٹ کر اعتدال پر آجاتی ہے۔ یہی معتدل اقالیم علوم و صنائع، تعمیر و آبادی، شاندار عمارتوں، حسین و دیدہ زیب لباسوں، اناج و میوہ جات اور مویشی و حیوانات وغیرہ کا مخزن ہیں۔ کیونکہ ان میں تمام معتدل حالات کارفرما ہیں۔ یہاں کے باشندے جسم، رنگ، اخلاق و عادات، صورت و سیرت، دین و مذہب اور تمام عمرانی و طبعی حالات مثلاً ذرائع روزگار، تعمیرات، علوم و صنائع اور ملک و ریاست

---

[1] عماد الدین اسماعیل، تقویم البلدان، ص ۵۰۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں حد اعتدال پر قائم ہیں [1] بالخصوص تیسری اقلیم کے باشندے فرحت و سرور اور ذہانت و فطانت سے بہت زیادہ مالا مال ہوتے ہیں کیونکہ ماحول، موسم اور آب و ہوا کا اثر نہ صرف جسم بلکہ انسان کے تمام ذہنی اور قلبی احساسات پر بھی مرتب ہوا کرتا ہے۔ اور انسان اگر اپنی فطرت سلیمہ اور طبعی اعتدال پر قائم ہو تو تمام موسمی اور ماحولیاتی اثرات قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

بناء بریں ہمارے ممدوح الکاسانی کی شخصیت کی تعمیر و ترکیب کا یہ بنیادی اقلیمی عنصر ان کی طبعی اور جسمانی ساخت سے لے کر ذہنی و روحانی استعدادات اور اخلاقی و کرداری میلانات اور عادات و اطوار تک میں جوہر اعتدال کی کارفرمائی کی یقینی ضمانت اور شہادت مہیا کرتا ہے اور ہم بلاخوف و تردد یہ کہہ سکتے ہیں کہ الکاسانی اس مرزبوم کے طبیعی اور حیاتی ورثے کا ایک جائز حقدار وارث ہے اور اپنے طبیعی ماحول، حیاتی اٹھان اور فطری نشوونما ہی میں زبردست ذہنی و فکری استعداد، انتہائی فنی قابلیت و جمالیاتی ذوق اور غیر معمولی فطانت و فراست سے بہرہ ور ہے۔

**۲۔ تمدنی مہیجات:** ہر فرد پیدائش سے موت تک کسی نہ کسی ابتدائی فرقہ یا ملت کا ممبر ہوتا ہے اور اس کی ذہنی زندگی کی تمام عادات و رسوم اسی ملت سے ماخوذ ہوتی ہیں اور اگر اس وابستگی میں تنوع پایا جائے تو فرد کے معاشرتی علائق کی وسعت کے مطابق اس کی شخصیت کی تعمیر میں مختلف اور متنوع عناصر کی آمیزش ہوتی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے جب ہم الکاسانی کے سوشل روابط اور ملی وابستگیوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیدائشی طور پر عجمی، ترکستانی قومیت، اموی اور عباسی ثقافتی عناصر کے امتزاج پر مشتمل جلی مرزبوم کی وطنیت اور اسلامی ملت سے دینی و روحانی وابستگی کے متنوع تہذیبی عناصر سے کاسانی کی شخصیت تشکیل پاتی ہے اور ان سبھی عناصر کی متنوع خصوصیات کا امتزاج رکھتی ہے اس اعتبار سے کاسانی کی سیرت میں لوچ، ملائمت اور نفاست کے ساتھ ساتھ شائستگی، وقار و تمکنت، خودداری کے علاوہ حریت و استقلال اور مذہبی و ملی غیرت و حمیت ایسے متنوع

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ج ا ص ۲۰۲ تا ۲۰۷ ملخصاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اوصاف یکجا ہوگئے ہیں اور اس کی شخصیت میں ایک قسم کا امتزاجی تفرد و امتیاز پیدا ہوگیا ہے۔

**۳۔ تہذیبی مؤثرات:** ثقافتی و تربیتی مؤثرات سے مراد وہ تعلیمی اور تہذیبی محرکات ہیں جنہوں نے کاسانی کی شخصیت کے وہبی عواطف و استعدادات اور ذہنی و روحی تو ہبی عوامل کی تہذیب و تشکیل کی، اس کی بالقوہ فطرت کو بالفعل فطرت میں ڈھالا اور اسے پختگی، بلوغت اور رشادت عطا کی۔

اس سلسلہ میں یہ ایک مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ زمانہ اپنی علمی اور تمدنی رفتار اور ضرورت کے مطابق افراد پیدا کرتا ہے۔ ہر مفکر و مصنف اور موجد اپنے زمانے کے حالات کا ایک مجسم آئینہ ہوتا ہے جس طرح تکوینی ایجادات ہر زمانے کی ذہنیت اور ضرورت کے مطابق ہوتی ہیں اور فطرۃ موجدوں کی طبیعتیں ان ہی ایجادات کی طرف چلتی ہیں جن کی زمانہ کو ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی علماء، مفکرین اور مصنفین بھی ہر دور کی علمی ذہنیت اور ضرورت کے مطابق ابھرا کرتے ہیں جب کسی قوم میں فن شعر و ادب کا عروج ہو تو شعراء اور ادباء زیادہ پیدا ہوتے ہیں، جب فلسفہ و منطق اور کلام و عقلیات کا عروج ہو تو اسی طرح کے افراد تربیت پاتے ہیں اور جب فقہ و شرعیات کا دور دورہ ہو تو فقہاء اور ماہرین شریعت ہی ابھرتے ہیں پھر ہر دور کے علماء اور مصنفین کی علمی اور تصنیفی و تدریسی کاوشوں کا رنگ بھی اس دور کی ذہنیت و ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہر قوم و ملت کے عہد زوال و انحطاط میں جو علمی اور عملی شخصیات جنم لیتی ہیں وہ بنیادی طور پر کسی ایک علم و فن کی ماہر اور کسی خاص شعبے سے وابستہ نہیں ہوتیں بلکہ قوم کی مجموعی و علمی و عملی ضروریات کی تکمیل اور کل قومی ورثے کی حفاظت و تقویت کے لیے ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیات ابھرا کرتی ہیں جو تمام علوم و فن میں عمومی دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے علم و مہارت میں یکتا و منفرد اور اعلیٰ امتیازی مقام کی حامل بھی ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث پاک:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (او کما قال علیہ السلام)

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز پر تجدید دین کے لئے ایک ہمہ گیر شخصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو پیدا کیا جائے گا کی معنوی حکمتوں اور عمرانی و اجتماعی پس منظر پر غور کرنے سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ چونکہ ہجری صدی گزر جانے پر اُمت کو علمی اور عملی انحطاط کا شکار ہو جانے کے باعث جامع اور ہمہ گیر تجدیدی شخصیات کی ضرورت پڑتی رہے گی اس لیے ہر نئی صدی کے آغاز پر ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔ چنانچہ یہ طے ہو گیا کہ عہد انحطاط میں امت کو اختصاص کی بجائے جامع اور ہمہ گیر شخصیات کی ضرورت پڑا کرتی ہے اس لیے عہد انحطاط میں جو علمی اور عملی شخصیات ابھرتی ہیں وہ مختلف علوم و فنون کی جامع، اور متنوع ذہنی و روحانی استعدادات کا امتزاج ہوا کرتی ہیں۔

ادھر شروع میں ہم بالتفصیل بیان کر آئے ہیں کہ کاسانی کا عہد امت مسلمہ کے لیے سیاسی نکبت و ادبار، تمدنی انحطاط و زوال سیرت، اور علمی و فکری انتشار اور فقہی جمود و تصلب کا عہد تھا۔ لہٰذا اس دور میں ملت کو ایسے افراد کی ضرورت تھی جو ایک طرف فکری رسوخ، فقہی بصیرت اور علمی کمال میں ممتاز ہوں تو دوسری طرف گہرے تمدنی اور سماجی شعور، پختہ سیاسی فہم و بصیرت اور راسخ دینی و اعتقادی اذعان سے بہرہ ور ہوں اور تیسری جانب ان کی عدالت و دیانت، زہد و ورع، اخلاص و للہیت اور خودداری و استقلال تاریخی مسلمات سے ہوں اور ان کی سیرت و کردار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہو۔ تاکہ وہ اپنی فقہی و اجتہادی قوت سے ملت کا قانونی نظام استوار کر سکیں، اپنے علمی اور تربیتی کمال سے نظام تعلیم و تربیت کی آبیاری کر کے ایک صالح اور باشعور نسل کی تعمیر کر سکیں، اپنے پختہ سماجی اور سیاسی شعور کی بدولت قوم کو سیاسی اور عمرانی مشکلات کے گرداب سے نکالنے میں بھرپور کردار ادا کر سکیں اور اپنی عدالت و اخلاص اور سوز و مستی کے بادۂ ناب سے امت کی روحانی اور ذوقی تسکین کا اہتمام بھی کر سکیں۔ چنانچہ اس عہد میں ابھرنے والی تمام مایۂ ناز شخصیات ان جملہ اوصاف علمیہ و عملیہ سے پوری طرح متصف تھیں۔ الغزالیؒ ہو کہ ابن الجوزیؒ، ابن رشدؒ ہو کہ ابن العربیؒ، الکاسانی ہو کہ محی الدین الجیلانی ہر شخصیت علم و عمل میں جامعیت و آفاقیت اور حسن امتزاج کے لحاظ سے منفرد اور درجِ کمال پر فائز ہے۔ ہمارے ممدوح الکاسانی کی ذات میں مذکورہ علمی، فکری، روحانی اور کرداری اوصاف نہایت اعتدال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امتزاج اور حسن ترتیب کے ساتھ جمع ہو گئے تھے اور یہ جامعیت درحقیقت اس عہد کی تمدنی ضروریات، اور تہذیبی تقاضوں کی تکمیل کی خاطر قدرت کا ایک حسین اہتمام تھا۔

**ثانیاً طبعی ذہنی و کرداری خصائص:** قدرت جب کسی شخصیت کو کسی بڑے کام کے لیے منتخب کرتی ہے تو اس کی تعمیر و تشکیل میں اس امر کا پورا پورا اہتمام کرتی ہے کہ اس جلیل القدر کام کے لیے ضروری تمام ذہنی و روحانی استعدادات اور طبعی عواطف و میلانات اس شخصیت میں نہایت متوازن انداز سے ودیعت کر دیئے جائیں اور اسے جملہ اعلیٰ کرداری خصوصیات سے نوازا جائے تاکہ اپنے مقدس فریضۂ حیات کی انجام دہی میں اسے کسی موقع پر کسی قسم کی دشواری لاحق نہ ہو۔ اس اعتبار سے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ الکاسانی کو امت مسلمہ کے ہمہ جہتی عہد انحطاط میں علمی اور عملی دونوں سطحوں پر شریعت اسلامیہ کے تحفظ و اشاعت، تہذیب اسلامی کے استقرار اور نظام تعلیم و تربیت کی آبیاری کے لیے پیدا کیا گیا تو ساتھ ہی مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیے لازمی خَلقی و خُلقی اوصاف و استعدادات سے بہرہ ور بھی پاتے ہیں۔ ذیل میں کاسانی کے چند بنیادی وہبی ذہنی و کرداری خصائص کی طرف اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

**۱۔ فطانت و فراست:** اسلام میں فہم و ذکاء اور فطانت و فراست وہ بنیادی انسانی وصف اور ذہنی صلاحیت ہے جو طلب علم سے لے کر فروغ و تعلیم علم تک اور تفقہ و افتاء اور تحقیق و اجتہاد سے لے کر نفاذ احکام اور فصل خصومات تک بلکہ خود ایمان و اذعان سے لے کر انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل و کردار اور تعمیر سیرت و تشکیل شخصیت تک کے ہر مرحلہ میں ایک بنیادی رکن اور اولین شرط کی حیثیت سے ہر فرد میں حسب ضرورت پائی جانی ضروری ہے کیونکہ یہ عقل و فہم کا امتیازی وصف ہی ہے جو انسان کو دیگر تمام انواع مخلوق سے شرف و اعزاز بخشتا ہے اور یہی وہ وصف ہے جو اسکی تکلیف یعنی احکام شرعیہ کے فہم و امتثال اور بیان و نفاذ کا مخاطب ہونے کی بنیاد بنتا ہے اس کے بغیر انسان مرفوع القلم قرار پا کر دائرہ تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک عالم کے لیے فطانت و فراست کا وجود ازبس ضروری ہے بالخصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جبکہ اس کا دائرۂ عمل فقہی استنباط و اجتہاد (خواہ کسی بھی درجے میں) اور افتاء و نفاذ ہو تو فہم و ذکاء کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ علمائے اصول کی تصریح ہے کہ:

الاجتهاد يحتاج الى قدر اكبر من الفهم و العقل، فلا بد أن يكون المجتهد قوى الذكاء، دقيق الفهم، فقيه النفس قد ثبتت له ملكة يقتدر بها على فهم نصوص الشارع و مقاصده لان بدونه لا يتاتى الاستنباط المقصود بالاجتهاد [1] فان قلت فيه الفطنة والذكاء لم يصح منه الاجتهاد [2]

یعنی اجتہاد اعلیٰ درجے کے فہم و عقل کا محتاج ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مجتہد (اور مفتی بھی مجتہد ہوتا ہے) قوی ذکاء، دقیق فہم اور فقہی ملکہ کا حامل ہو تاکہ اسے نصوص شریعت اور مقاصد و اسرار شریعت سے پوری طرح شناسائی حاصل ہو سکے کیونکہ اس قدر گہرے فہم و فراست اور فقہی ملکہ کے بغیر استنباط احکام ممکن نہیں۔ لہٰذا جس شخص میں فطانت اور ذکاوت کم ہو اس کے لیے استنباط و اجتہاد (اور افتاء اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے) ہرگز روا نہیں۔ اور مفتی کے لیے چونکہ اہلیت اجتہاد کا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ اس کا کام نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ہے اور اجتہادی صلاحیت سے بے بہرہ شخص اس کام کے لیے نا اہل قرار پاتا ہے۔ لہٰذا مفتی کے لیے فہم و فراست اور ذکاء و فطانت سے متصف ہونا ناگزیر ٹھہرتا ہے۔

ادھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ الکاسانی اپنے عہد کے اجتہاد و استنباط اور افتاء کے منصب پر نہایت امتیاز و تفرد اور اس شان افتخار سے فائز ہے کہ اس دور میں کوئی فتوی اس وقت تک معتبر نہیں قرار پاتا جب تک اس پر الکاسانی، اس کی فقیہہ بیوی اور استاذ و خسر السمرقندی کے دستخط ثبت نہ ہو جائیں [3] تو ہمیں الکاسانی کی نادر فطانت و فراست، فقہی بصیرت اور استنباطی ملکہ کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کی تالیف بدائع الصنائع کے مطالعہ سے یہ یقین مزید پختہ اور

---

[1] زکریا انصاری: غایۃ الوصول، ص ۱۴۷؛ المحلی، شرح جمع الجوامع، ج ۲ ص ۳۸۲۔

[2] الماوردی: ادب القاضی، ج ۱ ص ۴۹۲۔

[3] قاری محمد طیب: شرعی [illegible] ص ۱۰۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



راسخ ہو جاتا ہے کہ الکاسانی درجۂ اول کا ذکی ( Genius ) ہے۔ اس کی باطنی دنیا فطرۃ غیر معمولی فطانت و ذہانت اور روحانی قوت واستعداد سے مالا مال ہے۔

**۲۔ سوزِ عشق:** عشق وہ جذبۂ رفیع الدرجہ ہے جو وجود حیات کی آرزو سے لے کر نمود ذات اور ارتقائے زیست کے ہر احساس و تصور کی پہنائیوں میں سرایت کیے ہوئے ہے جملہ انسانی اوصاف اور تمام جذبات و احساسات عشق ہی کے مختلف روپ ہیں اور اسی کی بدولت زندہ و پائندہ، جس طرح بدن انسانی کی بقاء اور قوت کا دار و مدار حرارت عزیزی پر ہے اسی طرح روح انسانی کی بقاء اور قوت کا کلی انحصار جذبۂ عشق و محبت پر ہے

عشق کے مضرب سے نغمۂ تار حیات ؎

عشق سے نور حیات، عشق سے نار حیات

"بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خود کائنات اور نظم کائنات اسی جذبے کی بنیاد پر قائم و استوار ہے کہ جملہ عناصر فطرت میں باہمی ربط و تعلق کی اساس عالمگیر کشش (Gravitation) اور قوت جذب و ارتباط ہے جو عشق ہی کا مظہر ہے۔ بوعلی سینا کا قول ہے:

کہ عشق ایسا جذبہ ہے جو کائنات کی ہر شئے میں جاری و ساری ہے اور درجہ بدرجہ ہر شئے حسن ازل کی جانب برابر گامزن ہے"۔ ؎

عشق آئین حیات عالم است ۔ امتزاج سالمات عالم است۔ اقبالؔ

شیشۂ دہر میں مانند مئے ناب ہے عشق ۔ روح خورشید ہے خون رگ مہتاب ہے عشق اقبالؔ

مولانا روم نے کس قدر وضاحت سے فرمایا ہے کہ: ؎

حق جہاں را از محبت آفرید ۔ ہر دو عالم از محبت شد پدید

اور

دور گردوں را ز فیض عشق داں ۔ گر نبودے عشق بفسردے جہاں

یہ جذبۂ محبت و عشق چونکہ حیات انسانی کے جملہ مظاہر و آثار اور بالخصوص علم و شرع کی بنیاد ہے اس لیے یہ متصور نہیں کہ کوئی انسان شریعت اور اسلامی تہذیب کے کسی شعبے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حقیقی علمی یا عملی مہارت حاصل کرلے اور جذبۂ عشق سے بے بہرہ ہو۔ کیوں کہ بقول اقبال ے

عقل و دل ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق ۔ عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بتکدۂ تصورات۔

اس پہلو سے جب ہم اپنے ممدوح الکاسانی کی حیات و خدمات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ عشق کا سوز وسرور موصوف کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کی تمام علمی، تدریسی، افتائی اور فنی خدمات کی بنیاد ہی یہ جذبہ عشق قرار پاتا ہے کہ الکاسانی اسلام کے عہد انحطاط میں ابھرتا ہے اسے ملت کا ہمہ گیر زوال تڑپا دیتا ہے اور وہ اپنی زندگی ملت کی تہذیبی نشاۂ ثانیہ میں ہر محاذ پر علمی و عملی خدمات کے لیے وقف کر دیتا ہے اور پھر موت تک مقصد حیات کی اس لگن اور تڑپ کو برقرار رکھتا ہے۔ کاسانی کا عشق مقصد حیات کا عشق ہے، تعمیر ملت اور احیائے اسلام کا عشق ہے۔ اور خدا و حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے۔ اس کا یہ سہ ابعادی عشق بدائع الصنائع کی سطر سطر سے جھلکتا ہے اور اگر اس کی کلامی کتاب السلطان المبین اور تفسیر قرآن بھی دستیاب ہو جائے تو اس سوز عشق کی کیفیات کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بدائع کے مطالعے سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ مصنف محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ تعظیم و توقیر کو اساس ایمان سمجھتے ہوئے انتہائی باریک سے باریک فقہی جزئیے میں بھی اسے پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے استنباط حکم کرتا ہے۔ چنانچہ مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں فقہ شافعیؒ کی رو سے اگر عامل زکوٰۃ ہاشمی ہو تو از روئے اجرت مال زکوٰۃ میں سے حصہ لے سکتا ہے حالانکہ امام شافعیؒ حب اہل بیت میں معراج کمال پہ فائز ہیں کہ ان کا شعر ہے۔

ے ان رفضا حب اٰل محمد فلیشھد الثقلان انی رافض

الکاسانی امام شافعی کے اس موقف پر محاکمہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

ان المال المجبیٰ صدقۃ .... والصدقۃ مطھرۃ لصاحبھا فتمکن الخبث فی المال فلا یباح للھاشمی لشرفہ صیانۃ لہ عن تناول الخبث تعظیما لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی زکوٰۃ کا جمع کردہ مال صدقہ ہے اور صدقہ چونکہ صاحب صدقہ کا تزکیہ اور تطہیر کرتا ہے اور نتیجۃً کدورت و میل، مال صدقہ میں آجاتی ہے اس لیے ہاشمی خواہ عامل زکوٰۃ ہی کیوں نہ ہو اسے مال زکوٰۃ سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اس امر کی بنیاد تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آگے چل کر وہ مال زکوٰۃ کی سادات کے لیے حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے یہی حقیقت پھر دھراتے ہیں کہ:

والمعنى انها من غسالة الناس فيتمكن فيها الخبث فصان الله تعالىٰ بني هاشم عن ذلك تشريفا لهم و اكراما و تعظيما لرسول الله[1]

کاسانی کو ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عشق ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے باریک سے باریک گوشے کی توجیہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب اور تعظیم و توقیر کے تقاضوں کو پوری طرح مدنظر رکھتا ہے۔ تعدد ازواج کی صورت میں مسلمانوں کو عدل بین الازواج کی پابندی کی ہدایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے تعدد ازواج اور عدل کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ان منتهى العدد المشروع هو الاربع لان في الزيادة على الاربع خوف الجور عليهن بالعجز عن القيام بحقوقهن ... بخلاف نكاح رسول الله صلى الله عليه وسلم لان خوف الجور منه غير موهوم لكونه مؤيدا على القيام بحقوقهن بالتاييد الالهى فكان ذلك من الآيات الدالة على نبوته لانه آثر الفقر على الغنى والضيق على السعة وتحمل الشدائد والمشاق على الهوينا من العبادات والامور الثقيلة وهذه الاشياء اسباب قطع الشهوات والحاجة الى النساء ومع ذلك كان يقوم بحقوقهن دل انه صلى الله عليه وسلم انما قدر على ذلك بالله تعالىٰ[2]

---

[1] بدائع، ج ۲: ص ۴۹۔

[2] بدائع الصنائع: ج ۲ ص ۲۶۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ترجمہ: یعنی ہمارے لیے چار سے زیادہ حرام ہیں کہ ہم اس سے زیادہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی اور قیام عدل سے عاجز ہیں بخلاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ظلم اور ناانصافی کا تصور بھی ناممکن ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اسباب خواہشات سے انقطاع کے ازواج مطہرات کے حقوق کی ادائیگی میں پوری طرح کامیاب رہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ وقت تائید الٰہی و قرب خداوندی میسر رہنے اور آپ کی صدق نبوت کی زندہ شہادت و دلیل ہے۔

بے پناہ تعظیم و توقیر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ الکاسانی اپنی کتاب میں قدم قدم پر مؤمنوں کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتا ہے اور اس سلسلہ میں ہمیشہ قلبی اور وجدانی توجیہات پیش کرتا ہے۔

چنانچہ وضو میں کلی کرتے ہوئے تین مرتبہ سے زیادہ منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کی ممانعت کی شرعی توجیہ میں کہتا ہے:

واما الزیادۃ علی الثلاث فمن باب الاعتداء علی ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم[1]

یعنی تین مرتبہ سے زائد پانی منہ میں ڈالنا فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی اور سرکشی ہے تو جو شخص آپ کے فرمان سے زیادہ یا کم عمل کرے تو وہ اعتداء اور ظلم کا مرتکب ہے۔ اور ایسے میں اگر روزے کی حالت میں پانی چوتھی بار ڈالتے ہوئے حلق سے نیچے اتر جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر تین مرتبہ کے دوران ہی سہواً پانی حلق سے اتر جائے تو یہ معاف ہے اور روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ بقول کاسانی:

فکان الخطاء فیہا من ضرورات اقامۃ السنۃ فکان عفواً۔

یعنی یہ غلطی چونکہ اقامت سنت کے دوران ہوئی ہے اس لیے معاف ہے۔

اس سے آپ کاسانی کے عشق رسول اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کے گہرے اذعان و اعتقاد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ طواف میں فتح مکہ کے بعد رمل کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

لما رمل النبي صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال ذلك السبب صار الرمل سنة مبتدأة فنتبع النبي صلی اللہ علیہ وسلم في ذلك وان كان لا نعقل معناه ؎

یعنی ظاہری سبب (اظہار قوت مؤمنین) کے زوال کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد طواف میں رمل فرمایا تو یہ ازسرنو سنت قرار پایا اور ہم اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے پابند ہیں خواہ اس کی حکمت ہم نہ بھی جانتے ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاسانی کے نزدیک اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی اہمیت ہے۔ وہ اتباع رسول کو ایمان اور پابندی احکام شریعت کی اساس گردانتے ہیں اور ہر حکم شریعت کی حکمت اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اور ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا عہد ایک طرف زوال سیرت اور دوسری جانب فکری انتشار اور لادینی عقلی افکار کے فروغ کا عہد تھا۔ الکاسانی نے فتنۂ عقلیت و وضعیت کے تدارک اور تعمیر سیرت کے لیے عشق و اتباع پر زور دیا یوں فلسفہ والحاد کی پیدا کی ہوئی ذہنی لامرکزیت کو قلبی کیفیات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ اور فلسفہ و عقلیت پسندی کے پیدا کردہ فتنوں کا حقیقی و فطری علاج بھی یہی ہے کیونکہ عقل محض کے مقابلے میں جب وجدانی حقائق اور روحانیت اسلامیہ کے اصول پیش کیے جاتے ہیں تو عقل کی حیثیت صرف چراغ راہ کی سی رہ جاتی ہے اور انسان کو اپنے عروج کی منزل مقام عشق و وجدان اور اتباع محض پر نظر آنے لگتی ہے۔ اور اس کی سیرت صحیح خطوط پر تشکیل پاتی ہے۔

؎ دونوں جہاں کی رفعتیں ہیں تیرے انتظار میں
سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر

---

؎ بدائع: ج ۲ ص ۱۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



**۳۔ ذوق جمالیت ونفاست پسندی:** حسن ونفاست زندگی اور عمل کی روح ہے اس لیے اسلام نے ہر عمل میں طہارت وپاکیزگی، نفاست، ترتیب وسلیقہ اور نظم وضبط پر از حد زور دیتے ہوئے نفاست پسند انسان کو اللہ کا محبوب قرار دیا ہے۔ اقبال کا فلسفۂ خودی بھی یہی ہے کہ انسان کی ذات ہر قسم کی کدورت ورذالت سے پاک اور ہر قسم کی نفاست ولطافت سے آراستہ ہو اسی چیز کو قرآن نے صبغۃ اللہ یعنی الوہی رنگ قرار دیا ہے۔

ایک فنکار (اور فقیہ وعالم بھی ایک فنکار ہی ہے) کے لیے تو ذوق جمالیات اور نفاست ولطافت سے آراستہ ہونا اور بھی ضروری ہے۔ مصنف وقلمکار کے لیے فنی اور ادبی نفاست درکار ہے تو فکر وتخیل سے کام لینے والے کو فطری اور سماجی جمالیاتی ذوق کی ضرورت ہے۔ ہمارے ممدوح الکاسانی کی خلقت میں جمالیات کا خمیر ایک امتیازی عنصر ہے۔ اس کی طبیعت لطیف ولطافت پسند اور اس کا قلب حساس اور صاحب شعور ہے۔ اور اس کی یہ روح جمالیت ایک عظیم الشان نصب العین کی علمبردار ہے۔ الکاسانی کی فکری اور ادبی جمالیت اور نفاست پسندی کا شاہکار اس کی کتاب بدائع الصنائع ہے جس کے نام ہی سے مصنف کی جمالیاتی روح اور ذوق کا بھرپور اظہار ہوتا ہے چنانچہ بدائع کی حسن ترتیب (الترتیب الصنائعی) جس کی وہ شروع سے آخر تک سختی سے پابندی کرتا ہے کاسانی کے فکری ذوق جمالیت کی آئینہ دار ہے تو ادب کی چاشنی اور زبان کی فصاحت وبلاغت متنوع طرز استدلال اور برمحل اشعار کا استعمال اس کے ادبی ذوق جمالیت کا بھرپور عکاس۔ اس کے ساتھ ساتھ سوز دروں کی گرمی سے جنم لینے والے کاسانی کے موقف، اور احکام کی ذوقی توجیہات سے اسکی اعتقادی اور روحانی نفاست وجمالیت کی بھی ترجمانی ہوتی ہے۔

**۴۔ رجائیت اور امید کیشی:** انسانی زندگی دو متفرق وجداگانہ نظریہ حیات کی اساس پر استوار ہے ایک متشائم نظریہ حیات (Pessimisl Theory of Life) اور دوسرا متفاول نظریہ حیات (Optimisl Theory of Life) متشائم نظریہ حیات کے مطابق انسانی زندگی حزن وآلام،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


رنج و کرب، اور تکالیف وصعوبات سے عبارت ہے۔ یہ نظریہ غم کو لازمۂ حیات قرار دے کر انسان کو یاسیت شعار اور قنوطیت پسند بنا دیتا ہے جبکہ متفاول نظریۂ حیات انسان کو قنوطیت کے گرداب سے نکال کر رجائیت پسندی اور امید کیشی کے ساحل پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ نظریہ انسان کو احساس نفس وتعین ذات کا درس دیتا ہے اسے جینے کے نئے انداز بخشتا اور زندگی کی وقعت وعظمت سے روشناس کراتا ہے۔

اسلام متفاول نظریۂ حیات کا حامل ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ مؤمن کو کسی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیئے "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔" رجائیت ایمان کا ثبوت اور زندگی کا سہارا ہے تو یاس زندگی کی مخالف اور کفر کا اظہار۔ اس لیے حکم ہے کہ،

ولا تیئسوا من روح اللہ انہٗ لا یئیس من روح اللہ الا القوم الکافرون

ع چراغ راہ حیات است جلوۂ امید

کاسانی چونکہ ایک راسخ الاعتقاد اور سوز عشق سے سرشار مؤمن ہے اس لیے اس کا مسلک امید کیشی اور رجائیت ہے۔ وہ یاس وقنوط اور احساس محرومی پاس بھی نہیں بھٹکنے دیتا اور امید کا سہارا لے کر ملت زوال آمادہ کے احیاء اور بحالی تشخص کے کٹھن سفر پر جادہ پیما ہو جاتا ہے۔ اس ہمہ گیر قومی انحطاط واضمحلال کے عہد میں تدریس وافتاء اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ سرمایہ ملت کی نگہبانی الکاسانی کی رجائیت اور امید کیشی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

**۵۔ خودداری وخوداعتمادی:** انسان کی اصل حقیقت اس کی ذات یا خودی ہے جسد عنصری تو انسانی ذات کا تابع اور خدمت گزار ہے جس نے ذات کے اظہار، نشوونما اور تکمیل اغراض کے لیے اپنی تمام جبلتوں سمیت خودی سے وجود پایا ہے[1]۔ بقول اقبال ؎

---

[1] انیسویں صدی تک مغرب میں سائنس پر میکانیکی تصور حیات چھایا رہا جس کی رو سے کائنات کی ہر شئے اپنی اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قالب از ما ست شد نے ما از د     ساغر از مئے مست شد نے مئے از د۔
پیکر ہستی ز آثار خودیست     ہر چہ می بینی ز اسرار خودیست

بناءبریں زندگی کا حقیقی مقصود انسانی ذات یا خودی کی نشوونما اور تکمیل ہے۔ کیوں کہ انسانی ذات ہی سے انسان کی تکمیل ہوتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں: زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب پیدا نہ ہو۔ اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم" کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے"۔ [1]

یوں انسان کے اندر زندگی کا مرکز خودی یا اُنا ہے اس کی توسیع، تربیت اور استحکام ہی جملہ علوم وفنون اور تمام انظمۂ واحوال کا مقصود حاصل ہے ادبیات، مذہب اور اخلاقیات کے اثرات کا صحیح اندازہ اسی معیار سے قائم کیا جاتا ہے۔

بقول اقبال: "تمام انسانی جدوجہد کا انجام فقط حیات ہے اور تمام انسانی علوم وفنون اسی مقصد کے حصول کے تابع ہیں اس لیے ہر علم و فن کی منفعت کا اندازہ اس کی حیات آفریں قوت

---

(بقیہ صفحہ ۱۴۲) کہ کہ اعتبار سے مادی ہے۔ مادہ ہی جوہر حقیقی ہے اس کے ماوراء اور کچھ نہیں اس لیے ذات یا نفس انسانی کوئی مستقل اور جداگانہ وجود نہیں رکھتا بلکہ طبعی جسم ہی کے عمل کا نتیجہ ہے جو مادہ کے ذرات کی کیمیائی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے اور جسم انسانی کے طبعی افعال کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن بیسویں صدی کے سائنسی انکشافات اور طبعی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نہ زندگی مادہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی نفس و ذات انسانی بلکہ مادہ خود غیر حقیقی اور ناپائدار شئے ہے جو بقول مسٹر پلانگ شعور کا نتیجہ ہے۔ سر آلیور لاج کے بقول: کائنات پر شعور یا خودی کی حکومت ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ہستی کو معنی خیز بناتی ہے اور ہماری زندگی میں رونق پیدا کرتی ہے"۔ یوں اب سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ انسانی ذات یا خودی ہی اصل حقیقت ہے اور مادہ کی ہر حالت کا وجود اس کا مرہون منت ہے۔

[1] مقدمۂ پیام مشرق، ص م

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہی سے لگایا جاسکتا ہے مثلاً اعلیٰ ترین فن وہ ہے جو کہ ہماری جبلی قوت ارادی کو بیدار کرے اور ہمیں مصاف زندگی میں مردانگی سے مقابلہ کرنے کی طاقت بخشے"۔ ؎۱

غرضیکہ اقوام و افراد کا تسلسل جہاد، دوام عمل، پختگی یقین اور احساس خودی پر مبنی ہے اور خودی کی حفاظت، اس کی تربیت اور استحکام کا راز خود اعتمادی، خودداری اور استغنا سے وابستہ ہے۔ اس لیے ہر عظیم علمی و عملی شخصیت میں خودداری اور خود اعتمادی کا وجود ناگزیر ہے۔ اور ان اوصاف کا فقدان قومی انحطاط کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب کسی قوم میں تنزل رونما ہوتا ہے تو اس کے افراد میں جذبۂ غیرت و اعتماد نفس اس قدر مفقود ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذلت اور فرومائگی کے احساس سے بھی عاری ہو جاتے ہیں لیکن قدرت کا یہ حسن اہتمام ہے کہ ہمارا ممدوح الکاسانی باوجود قومی انحطاط کے عہد میں پیدا ہونے کے جذبۂ احساس نفس اور خودداری و خود اعتمادی کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہے۔ موصوف کے اسی وصف خودداری کا ایک نمایاں ترین مظہر جذبۂ غیرت ملی اور حمیت مذہبی ہے چنانچہ فقہی مذاہب میں وہ جس مکتب فکر سے وابستہ ہیں اس کی حفاظت و تقویت اور فروغ و اشاعت میں انتہائی غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور بقول شیخ محمد عبدہ یہ غیرت مسلکی اور عصبیت مذہبی انسان کی مذہبی زندگی کی بقاء کا لازمی عنصر ہے اس جذبہ کے بغیر انسان سیکولر اور لادین تو قرار پاسکتا ہے کسی مذہب و ملت کا فرد نہیں بن سکتا چنانچہ الکاسانی ابتدا میں سلجوقی دربار سے وابستہ تھے ایک مرتبہ کسی فقیہ سے مسئلہ تصویب مجتہد میں مناظرہ ہو گیا۔ وہ فقیہ اس پر اصرار کرنے لگا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے یہ منقول ہے ہر مجتہد مصیب ہے۔ کاسانی اس کی فکری لغزش پر تنبیہ کرتے رہے اور بار بار صحیح ترین حوالوں سے بتلاتے رہے کہ امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ حق واحد ہے اور ایک مسئلہ کے دو متضاد احکام میں ایک ہی رائے صائب ہوگی۔ وہ فقیہ اپنی رائے پر ہٹ دھرمی سے جما رہا اور تلخ کلامی پر اتر آیا تو الکاسانی نے غیرت مذہبی میں اس کی سرزنش کر دی اور دربار سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اس واقعہ کے بعد سلجوقی حکمران نے اپنے وزیر کے مشورے سے انہیں حلب میں نورالدین زنگی

---

؎۱ دیباچہ مرقع چغتائی، مشمولہ مضامین اقبال،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے دربار میں سفیر بنا کر بھیج دیا جہاں ان کا بڑی تعظیم و تکریم سے خیر مقدم کیا گیا[1] یہ تھی الکاسانی کے جذبۂ خود داری اور غیرت مذہبی کی ایک ادنی سی جھلک حقیقت یہ ہے کہ یہ جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ کسی قیمت پر اپنے اعتماد نفس کو مجروح نہیں ہونے دیتے تھے جو ایک غیور مومن کی نمایاں شان ہے

## ۶۔ کمال طلبی و اصلاح پذیری :

مغربی تہذیب سے اسلام کا مابہ الامتیاز مبدأ طلب کمال ہے کہ مغرب تنازع للبقاء کے حوالے سے زندگی کی تشکیل و تعمیر پر یقین رکھتا ہے جب کہ اسلامی تہذیب کی اساس انسان کا فطری جذبۂ طلب کمال ہے بقول امام رازی ہر قسم کا کمال علمی و عملی انسان کے لیے بالذات محبوب و مطلوب ہے[2] یعنی

ع ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں ۔

اقبال نے اسرار خودی میں تفصیل سے بتایا ہے کہ انسانیت اور خودی کی تکمیل پیہم تخلیق مقاصد ہی سے ہوتی ہے اور یہی نامحدودیت طلبی انسان کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ نہ تو علم میں کسی ایسی حد پر ٹھہرنا گوارا کرتا ہے جس کے آگے کوئی جہل باقی رہ جائے اور نہ قوت و قدرت کے کسی ایسے درجے پر قانع ہوتا ہے جس کے بعد کوئی چیز اس کی طاقت سے باہر رہ جائے ۔ بقول اقبال ۔ ع

ع طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد ۔

یہی جستجوئے کمال اور نامحدودیت طلبی اسلام میں طالب علم اور عالم کا سرمایۂ افتخار ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اصلاح پذیری کا عنصر بھی ہونا چاہیے ورنہ اصلاح پذیری کے بغیر کمال طلبی اور جستجوئے خیر کا تحقق ممکن نہیں کہ یہ دونوں وصف باہم لازم و ملزوم ہیں ۔ زیر نظر شخصیت الکاسانی کی ذات میں یہ کمال طلبی اور اصلاح پذیری کے دونوں عناصر پوری طرح گھل مل گئے ہیں چنانچہ ایک طرف اگر وہ ہر لحظہ علمی ترقی کے جویا نظر آتے ہیں تو دوسری طرف قدم قدم پر اصلاح پذیری کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہیں ۔ الکاسانی باوصف تمام اقوال ائمہ کے حافظ ہونے کے جب کبھی فتوی میں خطا کر جاتے اور آپ کی فقیہ بیوی وجہ خطا بتا دیتی تو آپ اسکے قول کی طرف رجوع کر لیتے تھے[3] یہی کمال طلبی اور اصلاح پذیری کی خو [illegible] آپ کے علم و تفقہ میں روز افزوں ترقی کا باعث تھی ۔

---

[1] [illegible] اسلامیہ اُردو ج ۱۷ ص ۱۱۵ ، الجواہر المضیہ ج ۲ : ص ۲۴۵ ۔

[2] امام رازی الکتاب النفس و [illegible]

[3] مقدمہ ۱۲ خلد [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



**تربیتی واکتسابی اوصاف** ہر انسان میں فطری طور پر قدرت کے ودیعت کردہ اوصاف واستعدادات کے علاوہ تعلیم وتربیت سے نشو ونمائے ذات کے ذریعہ بھی مختلف ذہنی اور کرداری اوصاف ومیلانات ابھر آتے ہیں کیونکہ تعلیم وتربیت درحقیقت انسان کی تمام مخفی طبعی صلاحیتوں کے فطری، مسلسل اور ہم آہنگ ارتقاء کے ذریعہ تعمیر سیرت کے عمل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں: "انسان کے اندر نفس ناطقہ میں ہر طرح کی صلاحیت ہوتی ہے نفس ناطقہ کی صلاحیت کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے علوم وادراکات کی ضرورت پڑتی ہے۔ جوں جوں انسان علوم حاصل کرتا ہے اسی نسبت سے اس کی قوت فعل سے بدلتی جاتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ علم ونظر کی ہر نوع سے ایک نئی قسم کی عقل پیدا ہوتی ہے[1]

زیر نظر شخصیت الکاسانی کی ذات میں مذکورہ وہبی خصائص وامتیازات کے علاوہ حسب ذیل تربیتی واکتسابی اوصاف واستعدادات نمایاں ہیں۔

**۱۔ حکمت وبصیرت** علم بمعنی مجموعۂ معلومات محض سوز دماغ اور حافظہ کا بوجھ ہے۔ صحیح معنوں میں علم اس وقت علم بنتا ہے جب سوز قلب میں ڈھل کر یقین کے درجے تک پہنچ جائے اور اندرونی وبیرونی حقیقت یکجان ہوجائے کہ بقول کسے Knowledge is response of inner truth to the outer truth ایسا علم حکمت وبصیرت کا درجہ حاصل کرکے انسان کا مطیع ومنقاد اور اس کے مقصد حیات کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ بقول شیخ ابوالنجیب سہروردی: "جب علم قلب تک پہنچتا ہے تو دل کی آنکھیں کھل جاتی ہے وہ حق وباطل کو دیکھنے لگتا ہے اور ہدایت وگمراہی کا فرق معلوم کرلیتا ہے[2]

اس لیے عقل وقلب کی آمیزش سے تشکیل پانیوالی حکمت وفراست ہی علم کا سب سے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ج ۲: ص ۳۲۰

[2] عوارف المعارف، ص ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اونچا درجہ اور رفقیہ کا اصل مقام ہے - اسی سے فضیلت علمی کا معیار متعین ہوتا ہے - ارشاد خداوندی ہے :

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔

حکمت کی تعریف اور ماہیت کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔
بیضاوی نے اس کا وسیع ترین مفہوم یہ بیان کیا ہے :

استعمال النفس الانسانیۃ باقتباس العلوم النظریۃ واکتساب الملکۃ التامۃ علی الافعال الفاضلۃ علی قدر طاقتھا۔ ؎۱

یعنی نفس انسانی کا نظری علوم کو حاصل کرنا - اور اعمال فاضلہ کی حسن ادائیگی کا ملکۂ تامہ بقدر طاقت حاصل کرنا۔

الجرجانی نے کتاب التعریفات میں حکمت کا جو مفہوم پیش کیا ہے وہ بھی علم و عمل دونوں کو شامل ہے۔

ابن سینا کہتے ہیں۔ "علم اور عمل کی حدود کے اندر رہ کر روح کے ادراک کمال کا نام حکمت ہے اس میں ایک طرف تو صفت عدل کا کمال ہے اور دوسری طرف نفس عاقلہ ( Reasonning Soul ) کی تکمیل شامل ہے یوں یہ نظریاتی اور عملی معقولات دونوں پر مشتمل ہے ؎۲

دوسرے مقام پر وہ رقمطراز ہیں : یہ مشاہدے کا فن ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے اندر (علم کے ذریعہ) ہر وجود رکھنے والی چیز کا اور اس چیز کا جس پر اسے ضرور عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ بلند، کامل اور ایک معقول عالم بن جائے، تحقیق کر لیتا ہے ؎۳ اس اعتبار سے ایک حقیقی عالم کے لیے حکمت و بصیرت مذہبی کا حصول ناگزیر اور وجہ فضیلت امتیاز قرار پاتا ہے

---

؎۱ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ، عربی ج ۸، ص ۱۴

؎۲ البرہان، ص ۲۶۰

؎۳ الرسالۃ فی اقسام العلوم العقلیۃ، ص ۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور جب ہم اپنے ممدوح الکاسانی کے علم کا جائزہ اس کی تالیف بدائع الصنائع کے حوالے سے لیتے ہیں تو قدم قدم پر اس یقین افزا مشاہدے سے سرشار ہوتے ہیں کہ الکاسانی فی الواقع مذہبی بصیرت وحکمت سے بہرہ ور عالم ہے جیساکہ اوپر سوز عشق اور کمال طلبی کے حوالے سے ہم اشارہ کر آئے ہیں اور مزید تفصیل آگے کاسانی کے پایۂ علمی کے بیان اور بدائع کے تجزیاتی مطالعہ کے ضمن میں آئے گی۔

## ۲۔ فکری تنظیم وترتیب

علمائے نفسیات کی مسلمہ رائے ہے کہ انسان کی زندگی اس کے افکار وخیالات کی پرتو ہے۔ کہ ہمارے ہر عمل کا بیج ہمارے خیال میں ہوتا ہے۔ افکار ہی زندگی کے انداز کو متعین کرتے ہیں تن اور من دونوں کی صحت وتندرستی کا مدار افکار پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد فکر ونگہ اور تصور کی بلندی وگہرائی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مؤمن پر اچھے اور برے ہر قسم کے خیالات اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے فکر کو صالح، مہذب اور منظم بنانے کی ضرورت ہے کہ منظم فکر ہی منظم عمل کی بنیاد بنتا ہے۔ اور فکری پراگندگی سے عمل میں انتشار واضمحلال در آتا ہے۔ تنظیم وترتیب متنوع عناصر کو اس انداز سے ہم آہنگ کرنے کا نام ہے کہ ان کے باہمی ربط سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جائے جو پختہ اور طے شدہ ہو[۱] یہ فکری تنظیم وترتیب علمی بصیرت وحکمت ملکۂ تفقہ واستنباط اور قوت استدلال کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور کہتے ہیں۔ تعلیمی نظاموں میں ہماری قوت غور فکر کی ترتیب وتنظیم ضروری ہے تاکہ ہمارے دماغ راستی کی دنیا میں آزادی کی ہوا کھا سکیں[۲]

ہمارا ممدوح الکاسانی فطری اور تربیتی نشوونما میں فکری تنظیم وترتیب کی معراج کمال پر فائز ہے اس کی تالیف بدائع الصنائع کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر اس پر شاہد عدل ہے کاسانی

---

[۱] وائٹ ہیڈ، تعلیم کے مقاصد، مترجمہ سید عبداللہ، ص ۱۶۰

[۲] ص ۲۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی فقہی بصیرت وحکمت، اعلیٰ ملکہ علم واستنباط اور منفرد سائنٹیفک طرز استدلال اس کی اسی فکری تنظیم وترتیب پر مبنی ہے اور اس تنظیم فکر واستدلال میں اس کے مایہ ناز استاذ محمد بن احمد بن ابی احمد السمرقندی کی حسن تعلیم وتربیت کا بے پناہ دخل ہے۔ جو خود بھی ایک منظم اور مرتب استقرائی فکر وعلم کے حامل تھے۔

**۳۔ ایقان واذعان:۔** یقین اور ایمان لازم وملزوم ہیں بلکہ ایمان درحقیقت نام ہی تصدیق قلبی، یقین واعتقاد اور اذعان وگرویدن کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ "یقین ایمان ہے"۔ اور بقول شاہ ولی اللہ تمام احوال ومقامات انسانی کی بنیاد یقین پر ہے یقین ہی سے توحید، اخلاص، توکل، شکر، انس، ہیبت، تفرید، صدیقیت اور محدثیت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کو اہل یقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

هٰذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون۔

پس یقین اسلامی زندگی کی جان ہے۔ جس طرح قالب روح کے بغیر اور آنکھیں بغیر نور کے بے لطف ہیں اس طرح مرتبۂ یقین کے بغیر اعمال بے کیف ہیں۔

بالخصوص عہد انحطاط میں تو اعتقادی اور عملی یقین کی ضرورت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ الکاسانی امت کے عہد انحطاط میں پیدا ہوئے اور یقین کی دولت سے مالامال قلب لے کر آئے۔ وہ ایک نہایت ثقہ اور صحیح العقیدہ عالم تھے اور معتزلہ واہل البدعۃ اور دیگر گمراہ فرقوں کا اکثر رد کرتے رہتے تھے[2] ان کا ایمان، ان کا علم اور ان کا عمل قوت ایقان واذعان سے لبریز تھا۔ ان کی کتاب "السلطان المبین فی اصول الدین" ان کے یقین اعتقادی کی پختہ شہادت ہے اور ان کے فقہی مناظرے ومجادلے، خودداری وخوداعتمادی اور غیرت مذہبی وحمیت ملی دراصل ان کے علمی یقین کے نمایاں مظاہر ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۸۱

[2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۷: اص ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



**۴۔ تقویٰ و عدالت:** تقویٰ اسلامی نقطۂ نظر سے عمل و کردار کی اساس بھی ہے، محرک و سرچشمہ بھی اور روح وجان بھی۔ قرآن کریم نے مؤمن کی پہچان ہی تقویٰ بتائی ہے علم وہنر اور اختیار باعث تقویت حیات ہیں لیکن بغیر تقویٰ کے باعث ہلاکت بن جاتے ہیں کیونکہ یہ آلات حیات ہیں اور آلات سے وہی شخص صحیح کام لے سکتا ہے جس نے ضبط وممارست سے اپنے آپ کو اس قابل بنایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی کے قول کی قبولیت وعمل کے لیے تقویٰ و عدالت کی شرط لگائی گئی ہے بلکہ علامہ سبکی نے عدالت وتقویٰ کو اجتہاد کا رکن اور اس کی ماہیت میں داخل ٹھہرایا ہے [۱]

فاسق کا فتویٰ قابل قبول نہیں کیونکہ جو مفتی بعض محظورات دینیہ کے ارتکاب میں عار محسوس نہیں کرتا اس سے باقی محرمات کا ارتکاب بھی بعید نہیں کہ تمام محظورات وممنوعات باعتبار میلان نفس کے مساوی ہیں۔

علامہ عبدالعزیز البخاری کی تصریح ہے کہ:

لان کل المحظورات من حیث یمیل الطبع الیها سواء [۲]

پس ایک عالم اور بالخصوص مفتی کے لیے تقویٰ و عدالت سے متصف ہونا اولین شرط ہے اور بحمداللہ ہمارا ممدوح الکاسانی زہد وورع اور تقویٰ واخلاص کی دولت سے مالامال ہے۔

یہ دولت اسے فطرت اور اپنے زاہد ومتقی استاذ کی تربیت کے فیضان میں میسر آئی ہے اور اس قدر پختگی اور گہرائی کے ساتھ کہ اس کے ہاں فتویٰ اور تقویٰ یکجان ہو گئے ہیں وہ حیلۂ فقہی اور لفظ قانون کی پیروی کو جائز نہیں سمجھتا بلکہ قدم قدم پہ روح قانون اور مقاصد شریعت کی تکمیل کی تلقین کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر حکومت کا باغی گروہ لوگوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کر لے تو ان سے دوبارہ زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے

---

[۱] السبکی الابہاج، شرح المنہاج، ج ۳: ص ۱۷۷

[۲] البخاری: کشف الاسرار، ج ۳: ص ۹۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گی لیکن فقیہ کاسانی یہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد استدراکا کہتا ہے:

الا انھم یفتون فیما بینھم وبین ربھم ان یؤدوا الزکوٰۃ والعشور ثانیاً۔[1]

یعنی البتہ انہیں اپنے رب سے رشتۂ عبدیت کے استحکام کی خاطر یہ فتوی دیا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ اور عشر دوبارہ ادا کر دیں۔

سبحان اللہ! روح الشریعت کی پیروی اور مقاصد دین کی تکمیل کے لیے تعمیر سیرت کا کس قدر اہتمام ہے کہ فتویٰ کو تقویٰ کے تابع کر دیا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں کاسانی زاہد خشک نہیں بن جاتے بلکہ سماجی شعور سے پوری طرح آراستہ ہیں اور حقیقی اسلامی تصورات کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل و تنظیم کرنا چاہتے ہیں۔ صوم وصال سے نہی کی حکمت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ان النھی عن صوم الدھر لما یضعفه عن الفرائض والواجبات ویقعده عن الکسب ویؤدی الی التبتل المنھی عنه۔[2]

یعنی صوم دھر اس لیے منع ہے کہ اس سے انسان دیگر فرائض و واجبات کی ادائیگی میں ضعف و کمزوری محسوس کرتا ہے اور معاشی جدوجہد میں پوری طرح حصہ نہیں لے سکتا۔

نیز اس سے ممنوع تبتل یعنی رہبانیت کا تصور ابھرتا ہے جو اسلام میں نہیں پایا جاتا

الغرض کاسانی اپنے تمام استنباطات اور فتاویٰ میں قاعدۂ احتیاط اور تقویٰ کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ بھرپور سماجی شعور اور اجتماعی زندگی کے تقاضوں سے آگہی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے۔

**۵۔ ثبات و استقلال:-** زندگی میں کامیابی و کامرانی کا حصول تسلسل، استقامت اور مستقل مزاجی پر منحصر ہے۔ کسی عمل کو نتیجہ خیز اور بارآور

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۲: ص ۳۶

[2] بدائع: ج ۲: ص ۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانے کے لیے اسے انتہائی مستقل مزاجی اور ہمت وقوت کے ساتھ مسلسل اور بار بار انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ لگاتار محنت اور استقلال کے بغیر کامیابی ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ثبات واستقلال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے فاستقم کما امرت ایک صحابی کے نجات کا راز پوچھنے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل اٰمنت باللّٰہ ثم استقم یعنی ایمان کے بعد استقامت ہی ذریعہ نجات ہے۔

نیز فرمایا:

احب الاعمال الی اللّٰہ ادومہا وان قل۔

استقامت کی اسی اہمیت کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ:

اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ فان الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔

یعنی کرامت کی استدعا نہ کرو بلکہ استقامت طلب کرو کہ استقامت کا مرتبہ کرامت سے برتر ہے۔

بناء بریں اہل علم وتقویٰ کی حقیقی فضیلت کا معیار ثبات واستقلال میں ہے اور زیر نظر شخصیت الکاسانی دیگر اخلاق اسلامیہ کی طرح اس وصف سے بھی پوری طرح متصف ہے۔ بدائع الصنائع کی تالیف میں جو حسین اور پسندیدہ ترتیب اپنائی اسے آخر تک پوری طرح نباہ کر یہ بتا دیا کہ وہ جو کام بھی شروع کر دیتے ہیں اسے نہایت استقلال کے ساتھ اسی انداز سے تکمیل تک پہنچانے کے خوگر ہیں۔

جب آپ کی اہلیہ فوت ہوئی تو ہر جمعرات کو ان کی قبر کی زیارت کا جو معمول بنایا آخر تک اس میں کمی اور انقطاع نہ آنے دیا۔

بقول صاحب جواہر المضیئۃ:

وکان الکاسانی لم یقطع زیارۃ قبرھا[1]

---

[1] جواہر المضیئۃ: ج ۲: ص ۲۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ کاسانی اپنی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی کس قدر استقامت، استمرار اور استقلال پر قائم رہے۔ ان کے وصف استقلال کی شہادت وفات کے وقت ان کی کیفیت اور زبان پر جاری ہونے والی آیت کریمہ کے مفہوم سے بھی ملتی ہے۔ ابن عدیم کہتا ہے میں نے ضیاء الدین حنفی سے سنا ہے کہ جب کاسانی کی موت کا وقت قریب آیا تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس گیا۔ اس وقت وہ سورۂ ابراہیم پڑھ رہے تھے جب آیت کریمہ "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت" پر پہنچے تو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور حلب کے قبرستان ظاہریہ میں مقام ابراہیم خلیل اللہ میں اپنی بیوی فاطمہ کے پاس مدفون ہوئے۔ [1]

**کاسانی کی فقہی بصیرت اور پایۂ اجتہاد:-** اوپر ہم الکاسانی کی علمی بصیرت و حکمت اور فکری تنظیم و ترتیب کی طرف اشارہ کر آئے ہیں۔ ذیل میں بالاجمال کاسانی کی فقہی استعداد اور اجتہادی مقام کے تعین کی کوشش کریں گے۔

**۱۔ ملکۂ علم و تفقہ:-** جملہ تکالیف شرعیہ سے مقصود نفس انسانی میں ایک ہیئت راسخہ اور ملکۂ ثابتہ کا حصول ہے جس سے طاعت و انقیاد کی خو استوار ہو جائے اور احکام شرعیہ کی پابندی فطرت بالفعل میں یوں ڈھل جائے کہ ایک کیف سا محسوس ہونے لگے اور عبدیت اضطراری، حقیقتاً عبدیت اختیاری میں بدل جائے۔

ابن خلدون کہتے ہیں:

ان المطلوب فی التکالیف الشرعیۃ کلھا حصول ملکۃ راسخۃ فی النفس یحصل منھا علم اضطراری للنفس، فالمعتبر فی التوحید لیس ھو الا یمان فقط الذی ھو تصدیق حکمی وانما الکمال فیہ حصول صفۃ منہ تتکیف بھا النفس کما ان المطلوب من الاعمال والعبادات ایضاً حصول ملکۃ الطاعۃ

---

[1] جواہر المضیئۃ، ج ۲: ص ۲۴۵، حدائق الحنفیہ: ص ۲۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



والانقیاد لہ

یعنی تمام احکام شرعیہ سے مطلوب نفس میں ایک ملکۂ راسخہ کا حصول ہے جو علم اضطراری کو جنم دے۔ پس توحید میں ایمان بمعنی تصدیق علمی مطلوب نہیں بلکہ کمال ایمان عبارت ہے ایک صفت راسخہ کے تکیف سے اور اسی طرح تمام اعمال و عبادات سے مقصود طاعت و انقیاد کے ملکہ کا تحقق ہے۔

ایمان و اعمال کی طرح حصول علم میں بھی اصل اعتبار حذق و مہارت اور ملکۂ علمی کا ہے کہ علم میں ماہر ہونا، اس میں جدت پیدا کرنا اور اس پر پوری طرح سے عبور حاصل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب انسان کے اندر اس کے مبادیات، اصول و قواعد، پورے پورے مسائل کا احاطہ اور اس کے جزئیات کو کلیات سے استنباط کرنے کا ملکہ پیدا ہو جائے جب تک یہ ملکہ پیدا نہ ہو کمال علمی کا حصول ممکن نہیں اور یہ ملکہ محض مسائل کے سمجھ لینے اور یاد کر لینے سے نہیں پیدا ہوتا کیونکہ مشاہدہ ہے کہ کسی علم کے مسائل کو سمجھنا اور یاد کر لینا مبتدی اور منتہی دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ ملکہ صرف عالم ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

ابن خلدون کے الفاظ میں۔

ان الحذق فی ای علم من العلوم والاستیلاء علیہ انما ھو بحصول ملکة فی الاحاطة بمبادئه وقواعده والوقوف علی مسائله ومالم تحصل هذه الملکة لم یکن الحذق فی ذٰلك المتناول حاصلا [2]

علامہ تفتازانی نے تو علم کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ:

ان العلم عبارة عن ملکة یقتدر بها علی ادراکات جزئیة [3]

یعنی علم نام ہی اس ملکۂ راسخہ کا ہے جس سے جزئیات کے ادراک پر قدرت

---

[1] مقدمۂ ابن خلدون: ج ۱، ص ۱۱۷۲

[2] مقدمۂ: ج ۱: ص ۱۱۹

[3] حاشیہ تفتازانی بر شرح العضد، ج ۱: ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حاصل ہو۔

علامہ ہروی اس پر تعلیقاً رقمطراز ہیں:

یقال لمن لہٗ تلک الملکۃ انہ عالم بذٰلک العلم واما الذی لیس لہٗ تلک الملکۃ فلا یطلق علیہ العالم بذٰلک العلم[1]

یعنی کسی علم میں صاحب ملکہ ہی پر عالم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور جسے یہ ملکۂ علمی حاصل نہ ہو اسے عالم نہیں کہا جا سکتا۔

ایک فقیہ اور مجتہد (خواہ کسی بھی درجے کا مجتہد ہو) کے لیے تو اس ملکہ علمی، قوت تفقہ اور استنباط کی صلاحیت کا حصول اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لیے اسے ایک دو نہیں بلکہ بہت سے علوم عقلیہ، علوم نقلیہ اور علوم لغویۃ وبیانیہ میں یکساں مہارت اور ملکہ راسخہ کا تحقق کرنا ہوتا ہے۔

علامہ سبکی کہتے ہیں۔

ان الاجتہاد متوقف علی ثلاثۃ اشیاء: احدھا التکیف بالعلوم التی تھذب الذھن کالعربیۃ واصول الفقہ وما یحتاج الیہ من العلوم العقلیۃ فی صیانۃ الذھن عن الخطاء۔ والثانی، الاحاطۃ بمعظم قواعد الشریعۃ والثالث، الممارسۃ والتتبع لمقاصد الشریعۃ ما یکسبہ قوۃ یفھم منہا مراد الشارع فی کل موضع[2]

یعنی اجتہاد تین چیزوں پر متوقف ہے۔ ایک تو ذہن کی تہذیب اور خطا سے محفوظ رکھنے والے علوم عقلیہ میں کیفیت راسخہ کا حصول۔ دوسرے جملہ قواعد شریعت کا احاطہ۔ اور تیسرے مقاصد شریعت کا تتبع اور ممارست جس سے ہر مقام پر شارع کی مراد ومدعا سمجھنے کا ملکہ متحقق ہو جائے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مفتی اور مجتہد کے لیے کس پایے کا عالم ہونا ضروری ہے اور کیوں نہ ہو کہ مجتہد کا کام محض سطحی امور کا دیکھ

---

[1] تعلیقات ہروی بر حاشیۂ تفتازانی، ج ۱: ص ۳۲

[2] السبکی: الابہاج شرح المنہاج، ج ۱ ص ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لینا نہیں بلکہ ان کی گہرائیوں میں اتر کر ان کی بنیادوں کا پتہ لگانا ہے تاکہ علل کلیہ اور اسرار جامعہ کا سراغ لگا کر جزوی مسائل کو ہمہ گیر بنا سکے۔

بنا بریں علمائے شریعت کے دو طبقے ہونے قدرتی ہیں۔ ایک عالم جزئیات، ایک عالم کلیات، اور ظاہر ہے کہ جس کی نظر علم کلی تک پہنچ گئی تو اس کا علم اس ایک منصوص جزیہ تک محدود نہیں رہ سکتا بلکہ علت جامعہ کے سبب ہزارہا وہ جزئیات بھی اس پر کھل جائیں گی جو اس منصوص جزئیہ کی طرح امر کلی کے عموم میں لپیٹی پڑی ہوں۔ اس لیے یہ عالم کلیات ہی حقیقی معنوں میں عالم کہلانے کا مستحق ہے اس کے برعکس عالم جزئیات اگرچہ ہزارہا جزئیات کا حامل ہو پھر بھی انصافاً عالم نہیں بلکہ حافظ کہلائے جانے کا مستحق ہے [1]

ان تصریحات کی روشنی میں اگر ہم فقیہ کاسانی کے پایۂ علمی، بصیرت فقہی اور قوت استدلال واستنباط کا جائزہ لیں تو یہ یقین افروز احساس ابھرتا ہے کہ الکاسانی علامہ سبکی کے بیان کردہ تینوں لوازم اجتہاد سے پوری طرح آراستہ، تفقہ و استنباط کے ملکۂ راسخہ کا حامل اور قوت اجتہاد و افتاء سے شاد کام ہے۔ وہ محض حافظ جزئیات نہیں بلکہ عالم کلیات اور مستنبط جزئیات ہے۔ بدائع الصنائع کی سطر سطر شاہد ہے کہ جزئیات سے کلیات تک رسائی اور کلیات سے پھر نئے نئے جزئیات کا استخراج اور ان کی باہمی نسبت وکیفیت نسبت کا کامل ادراک مصنف کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جس قدر شریعت اسلامیہ مرتب و منظم ہے اسی قدر فقیہ کاسانی کا ذہن وفکر منظم، ملکۂ تفقہ و استنباط راسخ اور مقاصد شریعت کا فہم کامل ہے۔ جیسا کہ آگے بدائع کے تجزیاتی مطالعہ کے ضمن میں اس کے نظائر و شواہد بیان ہوں گے۔

## ۲۔ کاسانی کا پایۂ اجتہاد:۔

بنیادی طور پر اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔ اجتہاد مستقل اور اجتہاد غیر مستقل۔

اجتہاد مستقل کی تعریف یہ کی گئی ہے:

---

[1] قاری محمد طیب: اجتہاد و تقلید: ص ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



هو ان يستقل المجتهد بادراك الاحكام الشرعيه من ادلتها[1] من غير تقليد او تقيد بمذاهب من المذاهب[2] بل يجتهد فى تاسيس اصوله وقواعده من الكتاب والسنه[3] واستخراج منهاج له فى اجتهاده ثم يستقل باستنباط الاحكام على وفق هذا المنهاج[4] غير منحصر فى باب من ابواب الفقه

یعنی اجتہاد مستقل یہ ہے کہ مجتہد کسی فقہی مذہب کی تقلید یا تقید کے بغیر براہ راست کتاب وسنت سے اپنے لیے استنباط کے اصول وقواعد اور اجتہاد کا منہاج مقرر کرنے کے بعد، انہی اصول استنباط کی روشنی میں فقہ کے تمام ابواب سے متعلق احکام کا استخراج کرے۔

اجتہاد غیر مستقل کی چار انواع یا مراتب ہیں۔ انتسابی، مذہبی، تخریجی، ترجیحی۔ اجتہاد انتسابی کی تعریف یہ ہے کہ:

هو ان يمارس الفقيه المنتسب الى مجتهد اخر فى قواعد الاصول ومنهج الاستنباط[5] الاجتهاد فى الوقائع على وفق ذلك المنهاج[6]

یعنی قواعد استنباط اور منہج اجتہاد میں کسی امام مذہب کی تقلید کرتے ہوئے، اسی کے اصولوں کے مطابق فروعی احکام کا استخراج اجتہاد انتسابی کہلاتا ہے۔

اجتہاد مذہبی کی تعریف ہے۔

---

[1] المسودة فى اصول الفقه: ص ۵۴۶

[2] ابن بدران: المدخل الى مذہب الامام احمد، ص ۱۸۴

[3] حاشية العبادی على شرح المحلى ، الفکر السامی: ج ۴: ص ۲۳۳

[4] ابوزہرہ: اصول الفقہ: ص ۳۱۰

[5] ابن عابدین: شرح عقود رسم مفتی، ص ۴

[6] ابوزہرہ: اصول الفقہ، ص ۳۱۳ ابن بدران: المدخل الى مذہب الامام احمد، ص ۱۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ھو الاجتھاد فی المسائل التی لا روایۃ فیھا عن امام المذھب مع اتباع الامام فی الاصول والفروع التی انتھی الیھا [1]

یعنی امام مذہب کے اصول اور فروع کی پابندی کرتے ہوئے اسی کے قواعد استنباط کے مطابق ان مسائل کا استنباط جن میں امام سے کوئی روایت نہیں۔

اجتہاد تخریجی عبارت ہے۔

تفصیل قول مجمل ذی وجھیر ا تعیین وجہ معین لحکم محتمل لامرین منقول عن صاحب المذھب او عن احد اصحابہ المجتھدین [2]

یعنی امام مذہب یا اس کے اصحاب سے منقول مجمل اقوال کی تفصیل اور محتمل روایات کی توجیہ اصحاب تخریج کا کام ہے کیونکہ یہ لوگ احاطہ اصول مذہب اور ضبط ماخذ کی بناء پر احکام کی علل ومبادی کے استخراج اور امثال ونظائر پر قیاس کی قدرت رکھتے ہیں۔

اجتہاد ترجیحی سے مراد ہے:

الموازنۃ بین ماروی عن امام المذھب من الروایات المختلفۃ، و ترجیح بعضھا علی بعض من جھۃ الروایۃ او الدرایۃ [3] بوسائل الترجیح المختلفۃ من قوۃ الدلیل او الصلاحیۃ للتطبیق بموافقۃ احوال العصر و نحو ذلک مما لا یعد استنباطا جدیدا لا مستقلاً ولا تابعاً [4]

یعنی امام مذہب سے منقول مختلف روایات کے مابین موازنہ اور مختلف وسائل ترجیح جیسے درایت، روایت، قوۃ دلیل موافقت قیاس یا عصری تقاضوں کی تکمیل وغیرہ

---

[1] خلاف: خلاصۃ تاریخ التشریع مع اصول الفقہ: ص ۳۲۶

[2] حسنین مخلوف: بلوغ السول ص ۱۸۱

[3] خلاف: خلاصۃ تاریخ التشریع: ص ۳۲۶

[4] ابو زہرہ: اصول الفقہ، ص ۳۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی بناء پر کسی روایت کو ترجیح دینا یہ تھیں اجتہاد کی اقسام، باعتبار مراتب مجتہدین کے، باقی رہا الکاسانی کے پایۂ اجتہاد کا تعین تو اس سلسلہ میں یہ اساسی حقیقت اجاگر کرنا ضروری ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کی اباحت و مشروعیت کی اساس ضرورت و حاجت ٹھہرائی گئی ہے کہ بفحوائے حدیث معاذ[1] قاضی اور مفتی کے لیے لازم ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ میں شرعی حکم کی جستجو پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کرے اور اگر ان دونوں میں وہ مطلوبہ حکم نہ پا سکے تو پھر اجتہاد و رائے کا سہارا لے جو بقول ثعالبی اور شافعی بمنزلۂ میتہ کے ہے اور صرف مخمصہ کی حالت میں روا ہے[2]۔ علامہ ابو شامہ المقدس حافظ بیہقی سے روایت کرتے ہیں کہ:

قد کرہ السلف الاجتہاد قبل وقوع المسئلۃ لان الاجتہاد انما ابیح للضرورۃ ولا ضرورۃ قبل الواقعۃ[3]

یعنی سلف وقوع حادثہ سے پہلے اجتہاد کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اجتہاد صرف ضرورت کے وقت جائز رکھا گیا ہے اور وقوع معاملہ سے پیشتر کوئی ضرورت درپیش نہیں۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں۔

وان لا یتقحم فی الاجتہاد حتی یضطر الیہ وتقع الحادثۃ فان اللہ تعالیٰ یفتح عند ذلک العلم عنایۃ منہ بالناس واما تھیئتہ من قبل فمظنۃ الغلط[4]

یعنی چاہیئے کہ انتہائی اضطرار اور وقوع حادثہ سے پیشتر اجتہاد کی طرف مائل نہ ہو۔

---

[1] خلاصہ حدیث یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ پیش آمدہ مسئلہ کا حکم پہلے کتاب اللہ میں اور پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھونڈونگا اور اگر ان دونوں میں حکم نہ مل سکا تو پھر اجتہاد کرونگا۔

[2] ابو شامہ: مختصر کتاب المؤمل: ص ۱۲

[3] ایضاً: ص ۱۲

[4] حجۃ اللہ البالغۃ: عربی ج ۱: ص ۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کیونکہ ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی عنایت و کرم سے صحیح علم و حکم تک رسائی بخشتے ہیں اور بغیر ضرورت استعمال اجتہاد میں غلطی و خطا کا امکان زیادہ ہے۔

شاہ صاحب کے اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ جس طرح حکمت خداوندی جب کبھی تمدن کے کسی خاص پہلو میں ترقی دینا پسند کرتی ہے تو چند مخصوص دماغ منتخب کر کے ان سے زمانے کی ذہنیت اور ضرورت کے مطابق ایجاد و اختراع کا کام لیتی ہے اور ہر دور میں موجدوں کی طبیعتیں فطرۃً تمدن کے انہی گوشوں سے متعلق ایجادات کی طرف مائل ہوتی ہیں جن کی زیبائش کی ضرورت ہو اور جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو طبائع کی یہ اختراعی و اکتشافی دوڑ بھی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح نظام تشریع کے سلسلہ میں حکمت ربانی جب کبھی تدین کے کسی مخفی گوشے کو نمایاں کرنا چاہتی ہے تو خاص ذہنیت کے افراد پیدا کر کے ان کے قلوب میں ذوق اجتہاد ڈال دیتی ہے چنانچہ اجتہاد کا رنگ ہر دور کی علمی ذہنیت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ مجتہدین کے قلوب فطرتاً چلتے ہی اس استخراج کی طرف ہیں جس کی اس عہد میں ضرورت ہوتی ہے اور تکمیل ضرورت کے بعد اجتہاد کا وہ دور نہیں لوٹتا جس سے زمانہ فارغ ہو چکتا ہے۔ پس اگر عین دین میں اجتہاد کر کے استخراج علل کلیات اور تدوین اصول کی ضرورت ہو تو مجتہد دماغ قدرتاً ادھر ہی چلیں گے اور اگر ان کلیات سے استنباط مسائل اور تدوین احکام کی ضرورت ہو تو مجتہدین ادھر ہی متوجہ ہوں گے پھر اگر استخراج کردہ مسائل و احکام کو واقعات پر منطبق کر کے ترجیح و انتخاب فتاویٰ کی ضرورت پڑے گی تو اجتہادات ادھر ہی بڑھیں گے اور جو درجۂ اجتہاد، پردۂ ظہور پر آجائے گا اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی تو پھر طبعی طور پر اس کے اعادہ کی حاجت نہیں رہے گی [1]

اس اعتبار سے جب ہم تاریخ اسلامی میں ادوار اجتہاد کے واقعی اور عملی پہلو کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ سلطنت اسلامی کی روز بروز وسعت کے ساتھ ساتھ

---

[1] قاری محمد طیب: اجتہاد و تقلید، ص ۱۵، ۱۶ : ص ۴۲ تلخیصاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جب مختلف تہذیبوں اور تمدنوں سے تعلق رکھنے والے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور حالات و زمانہ کے تقاضا کی نئی نئی کروٹوں نے بے شمار سیاسی و معاشی اور اجتماعی مسائل کو جنم دیا جن کے شرعی حل پیش کرنا ضروری ٹھہرا اور براہ راست کتاب و سنت اور مصادر شریعت سے احکام کا استنباط عوام کے لیے ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے امت میں وہ ارباب فقہ و روایت اور ائمہ اجتہاد پیدا کیے جن کے مصفا ذہنوں کا سرعت انتقال و نفوذ اور حیرت ناک استنباطات خرق عادت کی صورت ظاہر ہوئے انہوں نے نہ صرف مسائل مستنبط کئے بلکہ وجوہ استنباط و قواعد اجتہاد کی تاسیس بھی کی اور کیفیت استنباط پر روشنی ڈالی - پوری شریعت کی جزئیات کا ان کی کلیات سے ارتباط معلوم کیا اور اس ربط کے واسطہ سے ہزاروں نئے مسائل و احکام اور ہزارہا علل کلیہ کا استخراج کیا - یہ اجتہاد استقلالی کا دور تھا جب استنباط و اجتہاد کے تمام اساسی قواعد وضع ہو گئے جو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام ممکنات پر حاوی ہیں اور امہات مسائل حقیقی تنقیح کے بعد باب وار مرتب ہو گئے اجتہاد اساسی بام عروج پر پہنچ گیا اور فقہی مذاہب استقرار پذیر ہو گئے تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوت فہم اور ملکۂ استنباط بھی گھٹنا شروع ہو گیا جو اجتہاد مستقل کے لیے درکار تھا - اور اس کے ساتھ ہی اجتہاد مستقل کی ضرورت ختم ہو گئی تو بقول نووی اور شاہ ولی اللہ چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں اجتہاد مستقل عملاً ختم ہو گیا[1] اجتہاد مستقل کے پہلو بہ پہلو اور بالخصوص اس کے انقطاع کے بعد اجتہاد انتسابی جاری رہا مگر رفتہ رفتہ تکمیل ضرورت کی بناء پر اس اجتہاد کا دائرہ بھی سمٹتا چلا گیا حتیٰ کہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اس طبقۂ مجتہدین کے افراد بھی شاذ و نادر ہی رہ گئے[2] اور اس کے بعد اجتہاد مذہبی، اجتہاد تخریجی اور اجتہاد ترجیحی کا لامتناہی دور شروع ہو گیا - چنانچہ الکاسانی اور اس کے معاصر فقہاء کی فقہی سرگرمیوں کے ایک عمومی جائزہ سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں اجتہاد مقید کی یہ تینوں انواع پائی جاتی تھیں - اور

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۴۶

[2] ابوزہرہ: بحث "الاجتہاد فی التشریع الاسلامی" الندوۃ العالمیۃ الاسلامیۃ ص ۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کاسانی کا پائیدِ اجتہاد ان تینوں انواعِ استنباط سے ترکیب پاتا ہے جیسا کہ امور ذیل سے عیاں ہے۔

## ۱۔ معاصر فقہاء کے حوالے سے کاسانی کے اجتہادی مقام کا تعین

الکاسانی کے

چاروں فقہی مذاہب سے وابستہ معاصر فقہاء میں سے اکثر اجتہاد مذہبی اور اجتہاد تخریجی کے مرتبہ پر فائز نظر آتے ہیں۔

ذیل میں اس سلسلہ میں صرف مختصر اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

### معاصر فقہائے حنفیہ

(۱) طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی ماوراء النہر میں حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہد فی المسائل (صاحب اجتہاد مذہبی) میں سے تھے تاریخ وفات ۵۴۲ھ ہے۔

۲۔ عماد الدین بن شمس الائمہ الزرنجری متوفی ۵۸۴ھ اپنے باپ کی طرح شمس الائمہ کا لقب رکھتے تھے۔ بڑے عالم فاضل اپنے وقت کے نعمان ثانی تھے۔

۳۔ ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل متوفی ۵۴۷ھ قاضی خان کے استاد ہیں اور اگر شاگرد درجۂ اجتہاد فی المسائل پر فائز ہے تو خود استاد کا پایۂ علمی کیا ہوگا؟

۴۔ فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی المعروف بہ قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ طبقۂ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۵۔ علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل المرغینانی، صاحب ہدایہ اپنے وقت کے امام فقیہ، حافظ محدث، مفسر اور محقق اصولی تھے ابن کمال پاشا نے آپ کو طبقۂ اصحاب ترجیح سے شمار کیا ہے لیکن پاشا کی اس رائے پر تعاقب کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ کی شان قاضی خان سے کچھ کم نہیں اور وہ اپنے نقد دلائل اور استخراج مسائل کی بناء پر مجتہدین فی المذہب میں منصور ہونے کے لائق ہیں۔ آپ نے ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ حنفی فقہاء مرتبۂ اجتہاد فی المذہب پر فائز قرار دیئے گئے ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان کا معاصر اور فی الواقع اپنے ملکۂ علم و تفقہ، قوت استنباط و استخراج اور منفرد طرزِ استدلال کی بناء پر ان سب سے بلند مرتبہ فقیہ الکاسانی جو خود تحدیث نعمت کے طور پر اپنی سبقت علمی کا اظہار یوں کرتا ہے۔

سبقت العالمین الی المعالی ۔۔۔ بصائب فکرۃ و علو ھمۃ

ولاح بحکمتی نور الھدیٰ فی ۔۔۔ لیال بالضلالۃ مدلھمۃ

اجتہاد مذہبی کے مرتبہ پر فائز کیوں نہیں قرار پا سکتا؟ صرف معاصرت کے حوالے سے نہیں بلکہ سبقت علی المعاصرین کی حقیقی بنیاد پر۔

## معاصر فقہائے مالکیہ

(۱) ابو عبداللہ محمد بن علی المازری متوفی ۵۳۶ھ۔ آپ مایۂ ناز اصولی اور بھرپور قوت استنباط کے حامل مالکی فقیہ ہیں اصول فقہ میں آپ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

۲۔ ابوبکر بن محمد بن عبداللہ المعروف با بن العربی م ۵۴۳ھ صاحب تفسیر احکام القرآن یقیناً اجتہاد مذہبی کے درجہ پر فائز مالکی فقیہ اور بلند پایۂ مفسر ہیں۔

۳۔ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی متوفی ۵۷۱ھ۔ زبردست قوت استدلال سے بہرہ ور نہایت زاہد و متقی اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ ہیں۔

۴۔ ابن رشد الحفید متوفی ۵۹۵ھ مایۂ ناز فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم فقیہ بھی ہیں۔ آپ کے پایۂ اجتہاد کا اندازہ آپ کی فقہی تصنیف "بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد" سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

## معاصر فقہائے شافعیہ

(۱) حجۃ الاسلام الغزالی، آپ کا نام ہی فقہ، اصول، تصوف و اخلاق اور فلسفہ و حکمت میں رمزِ عظمت بن گیا ہے، آپ کا مرتبۂ اجتہاد اصول میں المستصفیٰ اور فروع میں الوجیز سے عیاں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۲- ابو اسحاق العراقی متوفی ۵۹۶ھ مصر کی جامع العتیق کے امام و خطیب تھے المہذب کی شرح لکھی جس سے آپ کی فقہی عظمت و بصیرت واضح ہو جاتی ہے۔

۳- ابو سعید عبداللہ المعروف بابن عصرون متوفی ۵۵۳ھ دمشق کے قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے فقہ میں بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً صفوۃ المذہب، کتاب الانتصار، الذریعہ فی معرفتہ الشریعۃ، وغیرہ۔ آپ یقیناً اجتہاد مذہبی کے مقام پر فائز ہیں۔

۴- ابو القاسم عبدالکریم القزوینی الرافعی متوفی ۶۲۳ھ فقہ میں عمدۃ المحققین مانے گئے ہیں، اور آپ کے استنباطات و تخریجات فقہ شافعیؒ میں پورا پورا اعتبار پاتے ہیں۔

## معاصر فقہائے حنابلہ

(۱) الشیخ عبدالقادر الجیلانی المعروف بہ غوث اعظمؒ م ۵۶۱ھ تصوف و طریقت کے شہباز فقہ میں مذہب حنبلی کی عمومی پیروی کے ساتھ آزادانہ اجتہادی فتاوی صادر فرمایا کرتے تھے اس لیے آپ کا مرتبہ اجتہاد مذہبی سے بھی اوپر ہے۔

۲- ابو الفرج ابن الجوزی م ۵۹۷ھ مایۂ ناز فقیہ، محدث، مؤرخ اور واعظ و مبلغ۔ المنتظم صفۃ الصفوۃ اور تلبیس ابلیس جیسی شہرہ آفاق کتابیں لکھیں۔ یقیناً فقہ حنبلی میں اجتہاد فی المسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔

۳- ابن المارستانیہ متوفی ۵۹۹ھ معروف حنبلی عالم اور تخریج و ترجیح کی قدرت سے بہرہ ور فقیہ ہیں۔

۴- محمد بن عبداللہ السامری متوفی ۶۱۶ھ کتاب المستوعب اور کتاب الفروق کے مصنف عظیم حنبلی عالم اور فقیہ ہیں۔

یہ تھے الکاسانی کے چند مایۂ ناز معاصر فقہاء جن کی اکثریت اپنے اپنے مذہب میں اجتہاد فی المسائل اور اجتہاد تخریجی کے مرتبہ پر فائز نظر آتی ہے اور اگر ہم بدائع الصنائع کی روشنی میں الکاسانی کی فقہی بصیرت و حکمت، قوت استنباط مسائل و علل اور طرز استدلال و تدوین کا جائزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیں، جیسا کہ آگے چل کر ایک اجمالی و عمومی تجزیہ پیش کیا جائے گا، تو یہ حقیقت کالشمس ہوجاتی ہے کہ کاسانی کا پایۂ اجتہاد اپنے معاصر فقہائے اسلام سے کسی صورت کم تر نہیں بلکہ اکثر معاصرین سے وہ ہر اعتبار سے بہت زیادہ بلند نظر آتا ہے۔ اور بناء بریں ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ الکاسانی یقیناً اجتہاد مذہبی کا درجہ رکھتا ہے۔

## ب: کاسانی کی تالیفات اور فتاوی سے اس کے پایۂ اجتہاد پر استدلال

کاسانی کے علمی و عملی کارناموں کا تفصیلی جائزہ آگے آرہا ہے۔ یہاں ہم صرف موصوف کی تالیف بدائع الصنائع اور فتاوی کی روشنی میں اس کے پایۂ اجتہاد کا تعین کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بدائع کی تمام موضوعی خصوصیات، جو آگے بیان ہو رہی ہیں، اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ مصنف نہ صرف تفقہ اور استنباط مسائل کے ملکہ سے بہرہ ور ہے بلکہ وہ استخراج علل و کلیات تک رسائی ان کی باہمی نسبت و کیفیت نسبت کے ادراک اور ہر حکم کے خصوصی اور عمومی مقاصد و اسرار تشریعیہ سے آگہی کی بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور یقیناً کاسانی اپنے فتاوی میں یہی روش اپنائے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد مذہبی بلکہ اس سے بھی اوپر کے مرتبہ پہ فائز فقیہ کا مقام ہے۔

ایک مفتی کے لیے اجتہاد فی المسائل کی قدرت رکھنا اولیں شرط ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کاسانی کے دور میں کوئی فتوای اس وقت تک معتبر نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک اس پر کاسانی کے استاذ، علامہ کی بیوی اور خود کاسانی کے دستخط ثبت نہ ہوں۔ اس سے عیاں ہے کہ کاسانی کے اجتہادی مرتبہ کا اعتراف اس دور کے سبھی لوگوں کو تھا۔ اور آئندہ ہمیشہ کے لیے بدائع الصنائع مصنف کے پایۂ اجتہاد کی شاہد عدل ہے

## الکاسانی کی علمی اور عملی خدمات

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے عمومی انحطاط کے دور میں احیائے اسلام اور ملی تشخص کی بحالی کے لیے قدرت نے جن جامع اور ہمہ گیر ذوات قدسیہ کا انتخاب فرمایا الکاسانی ان میں امتیازی حیثیت کی حامل شخصیت ہے جس نے اپنی زندگی تہذیب اسلامی کی علمی اور شرعی پوزیشن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ابدی تحفظ اور انقلابی اسلامی نظام تعلیم و تربیت کی آبیاری کے علاوہ افراد قوم کی تعمیر سیرت کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ الکاسانی کی ملی اور تہذیبی خدمات میں جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔ وہ بیک وقت ایک عظیم مدرس، معمار تہذیب بھی ہیں ایک مایۂ ناز فقی کی حیثیت نفاذ عدل کا اک مستقل ادارہ بھی اور ایک شہرہ آفاق مصنف کی حیثیت سے ملت کے فکری رہنما بھی۔ ان کی تنہا ذات نے اتنی عظیم الشان علمی اور عملی خدمات انجام دے ڈالیں جو حقیقت میں ایک بڑی جماعت کی منظم کوششوں ہی سے تکمیل پا سکتی تھیں۔ ذیل میں ہم الکاسانی کی چند نمایاں علمی اور عملی خدمات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

## اولاً: تعلیم و تربیت

اسلام سراپا دین علم ہے علم کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ اسلامی نظریۂ حیات اور نظریہ تعلیم باہم یکجان ہیں دونوں کے اساسی اجزائے ترکیبی ایک ہی ہیں جو قرآن حکیم کی آیۃ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ والمغرب ... أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ بہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں یہ عناصر حیات اور اجزائے تعلیم تین ہیں

۱۔ صحت عقیدہ جو مرکزی تصور حیات سے عبارت ہے۔

۲۔ حسن معاشرہ یعنی مرکزی تصور حیات کا معاشرہ سے تعلق اور۔

۳۔ تہذیب نفس جس سے مقصود ہے ظاہر و باطن کا تزکیہ اور شخصیت و کردار کی تعمیر۔

اسلام نے علم کو جو غیر معمولی بلکہ فوق الکل وقعت و اہمیت دی ہے اس کا اولین تقاضا ہے کہ معاشرے میں علم کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و توسیع کے لیے تمام انفرادی و اجتماعی وسائل بروئے کار لائے جائیں اور ان تمام عناصر و عوامل کا سدباب کر دیا جائے جو اس راہ میں حائل ہوں کیونکہ جس معاشرے میں علم کی ضد جہالت جس نسبت سے موجود ہو گی وہاں اسی نسبت سے علم کی عظمت و افادیت مجروح ہو گی یہی وجہ ہے کہ اسلام نے فروغ علم کو نہ صرف حکومت اسلامیہ بلکہ ہر فرد ملت کا دینی فریضہ قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ
لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

یعنی ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے تاکہ واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو اس علم کے ذریعہ ڈراتے کہ وہ خدر و احتیاط اپناتے، سے عیاں ہے کہ حصول علم کی غرض ہی یہ ہونی چاہیئے کہ اسے آگے پھیلایا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاہ عامہ کی خاطر بے غرض حصول علم اور بے لوث اشاعت علم پر جس قدر زور دیا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان یہ بیان فرمائی کہ:

انما بعثت معلما یعنی مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ نے فروغ علم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا مستحق لوگوں کو علم سکھانا صدقہ اور اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ حصول علم اور تعلیم و تدریس میں غفلت برتنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ایک روز فرمایا: کیا ہوگیا ہے ایسے لوگوں کو جو اہل علم ہیں مگر اپنے پڑوسیوں کو علم نہیں سکھاتے؟ اور کیا ہوگیا ہے ایسے لوگوں کو جو جاہل ہیں اور اپنے اہل علم پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتے؟ خدا کی قسم! یہ دونوں طبقے اگر اسی طرح غفلت شعار رہنے تو عذاب الٰہی جلد ہی انہیں دبوچ لے گا۔" (او کما قال علیہ السلام) حضرت انس کا ارشاد ہے کہ "مجھے علم ہوا ہے قیامت کے دن علماء سے اشاعت علم کے بارے میں اسی طرح سوال ہوگا جس طرح انبیاء کرام سے تبلیغ رسالت کے بارے میں۔"

فروغ و اشاعت علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام میں معلمی کو سب سے اعلیٰ وارفع اور محترم و باوقار پیشہ ٹھہرایا گیا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

یعنی تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآنی علوم (اور کیفیت یہ ہے کہ جمیع العلم فی القرآن) کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ امام باقرؒ کا قول ہے: جو شخص علم سکھاتا ہے اسے طالب علم کے برابر اجر ملتا ہے اور اسے طالب علم پر فضیلت بھی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے ہمیشہ، ہر دور اور ہر علاقے میں انفرادی و اجتماعی سطح پر علم کی اشاعت اور تعلیم و توسیع کے لیے خصوصی اقدامات کیے اور کبھی اپنے اس دینی و ملی فریضہ سے ذرا غفلت نہ برتی۔ چنانچہ ایک طرف ترجمہ و تالیف کے ذریعہ فروغ علم و حکمت کی کوششیں ہوتی رہیں اور دوسری طرف تعلیم و تدریس کے بیسیوں مختلف مراکز قائم کیے گئے جہاں نسل و رنگ اور مذہب کے اختلافات سے بالاتر رہتے ہوئے تمام متلاشیانِ علم سیراب ہوتے رہے۔ پانچویں صدی ہجری کے وسط تک تعلیم کسی ایک مقام پر محدود نہ تھی بلکہ مختلف قسم کے کثیر مقامات و مراکز پر جاری تھی مثلاً ابتدائی تعلیم کے لیے مکاتیب و محلات، کتب فروشوں کی دکانیں، علماء کی قیام گاہیں، مساجد و خانقاہیں، ادبی نشستیں، محلات شاہی اور بادیہ وغیرہ۔ لیکن سلجوقیوں کے عہد میں ۴۵۹ھ سے تعلیم و تربیت اسلامیہ کا ایک نیا انقلابی دور شروع ہوا جب الپ ارسلان اور ملک شاہ کے روشن خیال وزیر نظام الملک طوسی نے جدید نظام تعلیم کے تحت بغداد میں پہلا مدرسہ "نظامیہ" قائم کیا[۱] اور اس کے بعد خلافت اسلامیہ کے طول و عرض میں مدارس کا ایک جال بچھنا شروع ہو گیا اس سلسلہ میں نظام الملک کی پیروی کرنے والوں میں سب سے نمایاں ہستی نورالدین زنگی کی ہے جس نے ۵۴۲ھ میں تخت نشیں ہوتے ہی اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں نظامیہ کے طرز پر مدارس قائم کرنا شروع کر دیئے اور یہ سلسلہ اس کی وفات یعنی ۵۶۹ھ تک جاری رہا۔ الکاسانی اسی حکمران نورالدین زنگی کے دربار میں سلجوقی سفیر کے طور پر بھیجے گئے تھے آپ کے شہر اقامت حلب کے نمایاں مدارس الحلاویۃ، المعصرونیۃ، النوریۃ اور الشعیبیۃ تھے۔ مدرسۃ الحلاویۃ میں رضی الدین السرخسی تدریس کے فرائض انجام دینے پر مامور تھے لیکن طلبہ ان سے قوت بیانی میں ایک نقص کی وجہ سے بہت غیر مطمئن تھے۔ اس لیے علمائے حلب نے نورالدین سے الکاسانی کو اس منصب پر مقرر کرنے کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا اور آپ کو السرخسی کی بجائے مدرسہ الحلاویۃ میں تعلیم و تربیت کے عظیم مشن پر مامور کر دیا گیا۔[۲]

---

[۱] احمد شبلی۔ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ص ۱۹۔

[۲] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۷، ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



الکاسانی کا طریق تدریس اور منہاج تربیت اپنی روح کے اعتبار سے یقیناً وہی تھا جو امت میں متوارث چلا آرہا تھا لیکن جس میں اب مدارس نظامیہ کے قیام کا بعد تشکیلیاتی اور ہیئتی لحاظ سے انقلابی تبدیلیاں لائی جارہی تھیں اور چونکہ الکاسانی کے عہد میں ہنوز اس نئے نظام تعلیم و تربیت کا آغاز تھا اس لیے ہمارا احساس ہے کہ قدرت نے اس عظیم عمارت کی خشت بندی کے لیے علماء مدرسین اور مصنفین کی جس مقدس جماعت کو تیار کیا ان میں الکاسانی نہ صرف شامل بلکہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ ذیل میں ہم الکاسانی اور اس کے معاصرین کے ہاتھوں تشکیل پانے والے جدید نظام تعلیم و تربیت اسلامیہ کے چند نمایاں خدوخال بالخصوص الکاسانی کے حوالے سے بیان کریں گے تاکہ ان کی عملی خدمات کا یہ اجمالی جائزہ عہد حاضر میں نظام تعلیم و تربیت کی تشکیل نو میں کسی قدر رہنمائی کا کام بھی دے سکے۔

**۱: علم کی مقصدیت وافادیت:** اسلامی تصور حیات کے مطابق زندگی کا نصب العین ہے ادراک، شعور کائنات اور معرفت خالق، حیات و کائنات کے شعور و آگہی اور ادراک وشناسائی کے ہر راستے کی منزل آخریں معرفت خالق" ہے۔ اور یہی اسلامی تصور علم و تعلیم کی بھی غایت الغایات ہے اسلام میں علم و معرفت کا ہر جادہ اور ہر کاوش عرفان باری کی نقاب کشا ہے۔ کہ ؂

؂ چشمے کہ روئے دوست نہ بیند بطالت است علم کہ راہ حق نہ نماید جہالت است۔

الکاسانی کا نظریہ تعلیم اسی حقیقی مقصدیت وغائیت سے سرشار ہے پیچھے ہم الکاسانی کے طبعی اوصاف کے ذیل میں سوز عشق کے حوالے سے اس مقصدیت کے بعض مظاہر بیان کر آئے ہیں۔ بدائع کے حصۂ عبادات میں بالعموم اور باب الصلوٰۃ میں بالخصوص، معرفت و عبودیت کو باہم لازم و ملزوم ثابت کرتے ہوئے انسانی زندگی کے جملہ مظاہر عوامل کو عبودیت کا پابند قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں:

ان الصلوٰۃ و کل عبادۃ خدمۃ الرب جل جلالہٗ وخدمۃ المولی علی العبد لا تکون الا فرضا اذ التبرع عن العبد علی مولاہ محال والعزیمۃ ھی شغل جمیع الاوقات بالعبادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بقدر الامکان وانتفاء الحرج الا ان اللہ تعالیٰ بفضلہ وکرمہ جعل لعبدہ ان یترک الخدمۃ فی بعض الاوقات رخصۃ [1]

یعنی نماز اور ہر عبادت اپنی نوعیت کے اعتبار سے رب کریم کی خدمت کا رنگ رکھتی ہے اور بندے پر آقا کی خدمت فرض ہی ہوا کرتی ہے کہ یہاں بندے کا تبرع ممکن نہیں اور عزیمت تو یہ ہے کہ انسان کے تمام اوقات و اعمال (بشمول وقت تعلیم) عبادت کے رنگ میں رنگے ہوں البتہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے بندے کو بعض اوقات عبادات کی ظاہری رسوم کی ادائیگی سے استثناء کی رخصت عطا فرمادی ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ کاسانی انسان کے تمام اوقات اور اعمال بشمول عمل تعلیم وتربیت کو عبادت کے لیے وقف کیے رکھنے کا قائل ہے اور یہیں سے موصوف کے نظریہ تعلیم پر مقصدیت و افادیت کے غلبہ کا ایقان حاصل ہو جاتا ہے۔

## ب: تعلیم وتربیت کی یکجائی اور توازن

اسلامی تصور حیات کی ایک بنیادی خصوصیت جامعیت اور توازن ہے زندگی کے تمام اجزاء اور شعبہ جات کی شیرازہ بندی اگر اسلامی نظریۂ حیات کا ایک نمایاں وصف ہے تو تعلیم وتربیت کا حسین امتزاج اسلامی تصور علم کا بنیادی پتھر معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ اپنی پاکیزہ محبت، فیض تاثیر اور حسن تدبیر سے تزکیۂ قلوب بھی فرمایا امت کا بھی یہی فرض تھا اس لیے مسلمانوں نے ہمیشہ تعلیم کو ایک جامع نظام کی حیثیت سے دیکھا یعنی ایک طرف تعلیم کو نفس انسانی کی تربیت وتکمیل کا ذریعہ بنایا اور دوسری جانب اسے فرد واجتماع کی خدمت و بہبود کا بھی وسیلہ قرار دیا۔ زندگی کی خارجیت اور باطنیت کے اسالیب کی یکجائی اور توازن اسلامی نظریۂ تعلیم کا اساسی وصف ٹھہرا۔ خلافت اسلامیہ کے طول وعرض میں قائم ہونے والے مدارس نظامیہ اور دیگر علمی دبستانوں کی خصوصیت وہی زندگی کی ہمہ گیری، دین ودنیا کی وحدت، مادہ وروح کا اشتراک اور علم میں عدم مقامیت تھی۔ اس

---

[1] بدائع الصنائع، ج ا، ص ۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہمہ گیر تصور کے تحت جو تعلیمی رجحان اور علمی ذوق ابھرا اور پھیلا اس میں ہر جگہ جامعیت اور کلیت کی روح جاری وساری نظر آتی ہے [1]

اور یقیناً الکاسانی اپنے دبستان میں اسی جامعیت کلیت اور توازن سے آراستہ نظام تعلیم کو عملاً نافذ کیے ہوئے تھے جیسا کہ بدائع میں ان کے تربیتی افکار سے عیاں ہے، اس سلسلہ میں تفصیل آگے بدائع کے تجزیاتی مطالعہ کے ضمن میں آرہی ہے۔ کاسانی اس امر سے پوری طرح آگاہ تھے کہ تعلیم وتربیت کا اصل اثر دل ودماغ پر ہوتا ہے اور قلب کے بعد دوسرے اعضاء وجوارح پر اثر پڑتا ہے اور قلبی قوتوں کے ذریعہ ہی ہر حرکت عالم وجود میں متشکل ہو کر سرزد ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک:

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت، صلح الجسد کل واذا فسدت، فسدت الجسد کلہ الا وھی القلب

سے عیاں ہے۔ لہٰذا ایک استاد اور تربیت کنندہ کی اولیں ذمہ داری یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ توجہ طالب علم کی فکری اور اخلاقی استعداد کی بالیدگی اور استحکام پر دیں۔ اور اسے ایسی تعلیم دے جو ظاہر کے ساتھ باطن کو بھی بدل ڈالے اس سلسلہ میں تعلیم کے دوران عملی نیکی کی ریاضت بھی کرائے تاکہ طالب علم کا دل پگھل کر نیکی کے لیے طبیعت میں ایک خودرد آمادگی پیدا ہو سکے کانٹ نے سچ کہا ہے کہ "The best way to comprehend is to do.

الکاسانی کا یہ احساس ان کے فکر اور عمل دونوں سے عیاں ہے چنانچہ انہوں نے طلبہ کی اس نہج پر تربیت کی تھی کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بھی طلب علم کے جذبہ سے سرشار ہو کر نہایت اطمینان اور ضبط وانقیاد کے ساتھ استاد کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ الجواہر المضیۃ میں ہے:

فولی السلطان صاحب البدائع الحلاویۃ عوضہ بطلب الفقھاء ذالک منہ فتلقاہ الفقھاء وکانوا فی غیبتہ یبسطون لہ السجادۃ

---

[1] سید عبداللہ۔ تعلیمی خطبات، ص ۳
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ویجلسون حولها فی کل یوم الی ان یقدم [1]

یعنی فقہاء نے الکاسانی کو مدرسہ حلاویہ میں نہایت جوش وجذبہ سے بطور استاد قبول کیا وہ استاد کی غیر موجودگی میں اس کے لیے مسند بچھا کر نہایت اطمینان سے پورا پورا دن انتظار میں بیٹھے رہتے تا آنکہ استاد آجاتا۔ یقیناً طلبہ میں اس قدر احترام اور نظم وضبط بغیر حسن تربیت کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ تعلیم وتربیت کا محور قلب انسانی کو ٹھہرانے کے سلسلہ میں کاسانی کا یہ بیان قابل غور ہے:

انہ تعالیٰ امر بغسل ھذہ الاعضاء الظاہرۃ من الحدث والجنابۃ تذکیر التطہیر الباطن من الغش والحسد والکبر وسوء الظن بالمسلمین ونحو ذلک من اسباب الم آثم... فأمر بغسل ھذہ الاعضاء الظاھرۃ دلالۃ وتنبیھا علی تطھیر الباطن من ھذہ الامور وتطھیر النفس عنھا واجب بالسمع والعقل [2]

یعنی اللہ تعالیٰ نے وضو میں ظاہری اعضائے جسم کو دھونے کا حکم درحقیقت باطن اور قلب کو گناہ آلود جذبات وافکار سے پاک رکھنے کی ضرورت پر دلالت وتنبیہ کے لیے دیا ہے۔

اور نفس کو ان باطنی آلودگیوں سے پاک کرنا شرع اور عقل دونوں کی رُو سے واجب ہے۔ گویا کاسانی ظاہری زندگی سے متعلق تمام اعمال واحکام کو درحقیقت قلب ونفس کے تزکیہ وتعمیر کا خارجی مظہر قرار دیتے ہیں جس سے ان کا تصور تعلیم وتربیت بھی پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک تعلیم کا اصل محور ومحل قلب انسانی کی اصلاح وتطہیر ہے اور ظاہری انسانی استعدادات کی نشوونما اس کا خارجی مظہر۔

---

[1] الجواہر المضیۃ، ج ۲، ص ۲۴۵۔

[2] الجواہر المضیۃ، ج ۲، ص ۲۴۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



**ج: دائرۂ علم کی وسعت** اسلامی تصورِ علم بے پناہ وسعت و فراخی کا حامل ہے وہ حصولِ تعلیم کے حق کو کسی بھی زاویئے اور کسی بھی پہلو سے محدود و تنگ دائرہ میں محصور نہیں کرتا۔ اسلام میں علوم و فنون کی اس وسعت و جامعیت اور ہمہ گیری کے تین بنیادی رخ ہیں۔ اور یہ تینوں رخ ہیں الکاسانی کے نظریہ تعلیم و تربیت میں پوری طرح سمائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۱۔ اسلام میں ہر قسم کے علوم خواہ وہ حیاتیاتی اور طبیعیاتی نوعیت کے ہوں، نفسیاتی اور عمرانیاتی طرز کے یا اخلاقی اور دینیاتی نوعیت کے سبھی ایک واضح اور متعین نصب العین کی خاطر ضروری اور اہم ہیں ارشادِ خداوندی: واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ سے عیاں ہے کہ ارتقائے زندگی و عصری تغیرات اور اختلاف الکنہ و احوال کے پیش نظر ہر دور اور ہر علاقے کے تہذیبی و تمدنی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اور نت نئے علمی و عملی نظریات و فنون اور ارتقائی تصورات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے متعلقہ ضروری علوم و فنون سے آراستگی لابدی و لازمی امر ہے۔ چنانچہ اس پہلو سے جب ہم الکاسانی کے تصورِ علم کا جائزہ لیتے ہیں تو بدائع الصنائع ہمارے سامنے ایک مجموعۂ علوم و فنون اور ذخیرہ افکار و تصورات مختلفہ کی حیثیت سے مصنف کے نظریۂ علم کی وسعت آشکار کر دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیل آگے آرہی ہے تاہم ان کے ہاں تعلیم کی یہ وسعت، علوم دینیہ کی مرکزیت پر مبنی ہے یعنی کاسانی کے نزدیک تمام علوم قدیمہ و جدیدہ کو دین فہمی کے لیے مرکوز کر دیا جانا ضروری ہے کہ تمام اصناف علوم کی تعلیم کا مقصد و مدعا دین فہمی اور رضائے الٰہی کا حصول ٹھہرے۔ یہی وجہ ہے کہ الکاسانی ہمیں بدائع الصنائع میں مختلف طبعی، حیاتیاتی اور عمرانی و نفسیاتی علوم کو احکام شرعیہ کے استنباط و تفہیم کے لیے بڑی آزادی اور خوبصورتی سے برتتے نظر آتے ہیں۔

۲۔ اسلامی تصورِ علم کی وسعت و ہمہ گیریت کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس میں حصولِ علم و معرفت کے ذرائع اور وسائل ہر اعتبار سے لامحدود ہیں چنانچہ ایک طرف حصولِ علم کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


حواس ظاہری کے متنوع استعمال یعنی تعقل وتدبر، ذاتی مشاہدہ وتجربہ سے حصول علم اور دوسروں سے سماعت کے ذریعہ حصول معلومات پر زور ہے تو دوسری جانب حواس باطنی کو کشف ووجدان کے ذریعۂ حصول علم ومعرفت کا وسیلہ ٹھہرایا گیا ہے اور تیسری طرف ہر قدم پر وحی کے ذریعہ الوہی رہنمائی کو لازمۂ حیات اور معیار ہدایت و صداقت کی حیثیت سے حقیقی ذریعہ علم ومعرفت قرار دیا گیا ہے۔ اور قرون وسطی کے اسلامی نظام تعلیم وتربیت میں ان تمام ذرائع علم کو پوری طرح استعمال کیا جارہا تھا۔ چنانچہ ہمارے ممدوح الکاسانی کا نظریۂ تعلیم بھی جملہ ذرائع حصول معرفت کے بے دریغ مگر متوازن استعمال پر مبنی ہے جیساکہ بدائع الصنائع میں مصنف کے متنوع طرز استدلال سے جو مذکورہ سبھی وسائل علم وحجت کو محیط ہے، پوری طرح عیاں ہے۔ تفصیل آگے بدائع کے تجزیاتی مطالعہ کے ضمن میں آرہی ہے۔

۳۔ اسلامی نظریۂ تعلیم کی جامعیت وآفاقیت کی تیسری جہت ہے علم کی عدم مقامیت اور غیر طبقہ واریت۔ یعنی ایک طرف اسلام نے ہر ثقافت کو ایک مخصوص طبقۂ افراد کے تسلط سے نکال کر ہر طبقے اور ہر نسل کے ہر فرد کو بلا امتیاز رنگ ونسل ومذہب ہر قسم کے علوم حاصل کرکے ترقی کرنے کے پورے پورے مواقع فراہم کیے اور دوسری جانب علم کو نور کی طرح مشرق ومغرب کی قید سے آزاد کرکے کل انسانیت کا مشترک ورثہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دور اور بالخصوص قرون وسطی کے ہر اسلامی مدرسہ میں تمام طبقوں اور تمام مذاہب واقوام کے افراد، ہر مذہب وملت کے علوم وفنون ایک حسین امتزاج وتوازن کے ساتھ حاصل کرتے تھے۔ اور یقیناً الکاسانی کے مدرستہ الحلاویۃ کا بھی یہی حال تھا۔

الکاسانی کے ہاں علم کی عدم مقامیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بدائع میں تمام فقہی مذاہب کے تصورات وافکار پوری فراخ دلی کے ساتھ تمام جزئیات،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


اعراض وابعاد اور تمام توجیہات سمیت تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ان کے مبادی استدلال بھی پورے زور و قوت سے پیش کرتے ہیں اور پھر آخر میں ان پر محاکمہ کرتے ہوئے اپنا موقف اجاگر کرتے جس سے عیاں ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو بھی اسی انداز سے پڑھاتے ہوں گے اور فقہی مذاہب کے اس انداز سے تفصیلی تقابل مطالعہ کے ذریعہ یقیناً طلبہ میں ملکۂ تفقہ و استدلال اور گہری توسیعی و انتقادی نظر پیدا ہوتی ہے جو تعلیم کا حقیقی فکری مقصود ہے۔

## ۲۔ تعلیم کے سماجی اور انسانیاتی رُخ

"تعلیم سے مراد وہ مسلسل اور ہمہ گیر تہذیبی عمل ہے جس کے ذریعہ مردوں اور عورتوں کی نسلیں یکے بعد دیگرے اپنے ملی نصب العین اور قومی طرز حیات سے کامل وفاداری اور فطری عقائد و تصورات سے فکر و عمل کی مکمل مطابقت کی بنیادوں پر اپنا اپنا مقام حاصل کرتی ہیں"۔

اس حقیقی عمرانی مفہوم کی رو سے تعلیم ایک دوررس سماجی ادارہ ہے جو کل زندگی کا قائم مقام ہے لہٰذا تعلیم کی آخری صحیح منزل فرد اور سماج کی کل زندگی کو نہ صرف متاثر کرنا ہے بلکہ اسے سنوار کر باثروت، بامعنی اور انسانیت اور ذات کے لیے خوشگوار بنانا ہے۔ اور فی الواقع تعلیم سے زیادہ کوئی چیز سماجی انقلاب میں زیادہ اہم کردار ادا نہیں کرسکتی۔ بقول جی۔ ایچ؟ ویلز: "کوئی فاتح سماج کی بنیادی حالت میں اتنا نمایاں تغیر نہیں پیدا کرسکتا، کوئی مبصر سیاست دنیاوی کاروبار کو اپنے سماج کے خیالات اور اس کی صلاحیتوں سے ماوراء نہیں کرسکتا لیکن معلمین فاتح سیاست دان سے کہیں زیادہ متاثر کرسکتے ہیں وہ ایک نقطۂ نظر پیدا کرکے انسانیت کی خوابیدہ اور دبی ہوئی صلاحیتوں کو آزادی کا پیغام سنا سکتے ہیں[1]

مدارس نظامیہ کے سلسلہ سے جو علمی تحریک الکاسانی کے عہد میں شروع ہوئی وہ تعلیم کے بڑے واضح سماجی اور انسانیاتی ( Humanistic ) رخ لیے ہوئے تھی اور اس

---

[1] محمد عبدالعزیز: ہمارے تعلیمی مسائل، ص ۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے بعد اسلامی نظام تعلیم و تربیت ہمیشہ اس تہذیبی روح سے سرشار رہا۔ ہر علم و فن حتیٰ کہ فقہ ایسے خالص مذہبی علم کی تدریس میں بھی عمرانی پہلوؤں پر زور دیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ فقہی استنباط اور تحقیق تفہیم پر استقرائی انداز غالب آ گیا۔ اقبال کہتے ہیں۔ ” قرن اول کے تقریباً وسط سے لے کر قرن چہارم کے آغاز تک عالم اسلام میں فقہ و قانون کے کم از کم ۱۹ مذاہب کا ظہور ہو چکا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء متقدمین نے ایک بڑھتے ہوئے تمدن کی ضروریات کے پیش نظر کس سعی اور جد وجہد سے کام لیا۔ بات یہ ہے کہ فتوحات میں توسیع اور اضافے کے ساتھ ساتھ جب عالم اسلام کے مطمح نظر میں بھی وسعت پیدا ہوئی تو اس سے فقہائے متقدمین کو بھی ہر معاملے میں وسعت نظر سے کام لینا پڑا وہ مجبور ہو گئے کہ جو قومیں اسلام قبول کر رہی ہیں ان کے عادات و خصائل اور مقامی حالات کا مطالعہ کریں یہی وجہ ہے کہ جب اس وقت کی سیاست اور ملی تاریخ کی روشنی میں ہم ان مذاہب فقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ تعبیر و تاویل میں استخراج کی بجائے رفتہ رفتہ استقرائی منہاج اختیار کرتے چلے گئے“[۱] الکاسانی کی فقہی تالیف بدائع الصنائع کے حصۂ معاملات اور باب قضاء وسیر کا مطالعہ کریں تو مذکورہ حقیقت کا یقین افروز مشاہدہ ہو جاتا ہے یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔ عقد اجارہ کے جواز کے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبه تبين ان القياس متروك لان الله تعالىٰ انما شرع العقود لحوائج العباد وحاجتهم الى الاجارة ماسة۔۔۔۔ تحقيقه ان الشرع شرع لكل حاجة عقدا يختص بها فشرع لتمليك العين بعوض عقدا وهو البيع وشرع لتمليكها بغير عوض عقدا وهو الهبة وشرع لتمليك المنفعة بغير عوض عقدا وهو الاعارة فلو لم يشرع الاجارة مع امتساس الحاجة اليها لم يجد العبد لدفع هذه الحاجة سبيلا وهذا خلاف موضوع الشرع[۲]

---

[۱] اقبال: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۵۵ [۱] بدائع الصنائع، ج ۴، ص ۱۷۴

[۲] بدائع الصنائع: ۴: ۱۷۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی جوازِ اجارہ کے سلسلہ میں قیاس متروک اور استحسان معمول بہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہر انسانی حاجت کی تکمیل کے لیے ایک مخصوص عقد (صورت معاملہ) مثلاً بیع برائے تملیک عین بعوض، ہبہ برائے تملیک عین بلاعوض، اور اعارہ برائے تملیک منفعت بلا عوض مقرر فرمایا ہے تو اگر تملیک منفعت بعوض کے لیے عقد اجارہ کو جائز نہ رکھا جاتا حالانکہ لوگوں کو اس کی شدید حاجت ہے تو ایسے میں بندوں کے لیے اپنی اس ضرورت کی تکمیل کی اور کوئی سبیل باقی نہ رہتی اور یہ وضع شریعت کے خلاف ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ کاسانی ہر حکم شریعت کو سماجی رُخ سے دیکھتا اور اس کی عمرانی بنیادیں متعین کرتا ہے جیسا کہ نکاح و رضاعت اور حضانت وغیرہ کے مسائل سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ بناء بریں یہ طے شدہ امر ہے کہ الکاسانی اپنے نظام تعلیم و تربیت میں علم کے مذہبی اور روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی عمرانی اور سماجی جہات کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہے اور تعلیم کو ایک سماجی و عمرانی ادارہ کے طور پر تہذیب و تمدن کی تشکیل میں بھرپور اہمیت دیتا ہے۔

### ھ: منہاج تعلیم و تربیت

اسلام نے حصول تعلیم اور فروغ علم کے لیے ایک واضح منہاج اور متعین اسلوب عطا فرمایا ہے۔ عہد کاسانی میں سلسلہ مدارس نظامیہ کے قیام سے یہ منہاج تعلیم و تربیت عملی رسوخ و استقرار کی منزل میں داخل ہو رہا تھا۔ ذیل میں ہم الکاسانی کے حوالے سے اس منفرد منہاج تعلیم کے چند امتیازی خطوط اجاگر کریں گے۔

### آ: نصاب تعلیم کی عصری تقاضوں سے ہم آہنگی

دنیا بھر کی علمی اور تعلیمی روایات اس پر شاہد ہے کہ ہر دور کی تعلیم میں مرکز توجہ اس دور کی خاص ضرورتوں اور تقاضوں سے متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخی لحاظ سے عہد اسلامی کے تقریباً ہر دور میں مقتضیات زمانہ کے مطابق نصاب کے عملی پہلوؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو خاص اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ البتہ تمام نصابوں کی اصلی روح یہی رہی کہ ان سے دینی و دنیاوی اور علمی و عملی کا لفظی امتیاز مٹ کر ایک ایسا متوازن رویہ نمودار ہو جو زندگی کو وحدت بسیط کی حیثیت سے دیکھ سکے اور اسلامی زندگی کے نصب العین کی تکمیل میں ہر دور کے تمدنی تقاضوں کی رعایت کر سکے۔ الکاسانی کا عہد چونکہ سیاسی ادبار، فکری انتشار، فقہی جمود و انحطاط اور سیرت کے زوال کا دور تھا لہٰذا اس عہد کے نصاب تعلیم و تربیت میں احیائے اسلام اور ملی تشخص کی بحالی کے لیے ایک قسم کی جامعیت، توازن اور مختلف تہذیبی عناصر کی شیرازہ بندی درکار تھی۔ چنانچہ اس دور کے ہر نصاب تعلیم اور بالخصوص کاسانی کے نصاب میں ہمیں روح عصر کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ زوالِ اُمت کا سب سے بڑا سبب ہمیشہ زوال عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا ہے اور بقائے امت کا واحد وسیلہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استحکام ہے۔ کہ ؎

؎ در دل مسلم مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم است۔ آبروے ما ز نام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم است۔

اور

؎ تا شعار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم از دست رفت ۔ قوم را رمز بقا از دست رفت

اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے نظام تعلیم و تربیت بلکہ سارے شیرازہ حیات کا مرکز و محور ہمیشہ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور تعلیمی نظام میں نظریاتی طور پر نہیں بلکہ عملی لحاظ سے تعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موثر صورتیں پیدا کی جائیں کیونکہ زندگی کا اسلامی اسلوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت اور آپ کی ذات پاک سے عشق کے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے۔

بناء بریں جب ہم الکاسانی کے نصاب و نظام تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ کاسانی اپنی تعلیمی و تربیتی، افتائی اور تصنیفی و تالیفی تمام کاوشوں کا محور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنائے ہوئے ہے جیسا کہ پیچھے اوصاف کاسانی کے بیان میں سوز عشق کے حوالے سے بعض نمونے بیان کیے گئے تھے یہاں اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ موصوف بدائع الصنائع میں قدم قدم پر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پہلو اجاگر کرتے ہوئے پیغام عشق کا ابلاغ کرتے جاتے ہیں۔ فقہی مسائل بیان کرتے ہوئے جہاں ذراسی مناسبت نکلے بڑی تفصیل سے سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابندہ نقوش اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ہیئت صلوٰۃ کا بیان ہو تو صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت واضح کریں گے حتیٰ کہ صلوٰۃ استسقاء کے بیان میں بدائع کا نصف صفحہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش سے جگمگا رہا ہے[1]، احکام میت کے ضمن میں وفات رسول کی کیفیات اجاگر کریں گے اور نکاح کے مسائل کا باب ہو تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ مہکار سے کتاب کو سجائیں گے۔ الغرض ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الکاسانی فقہ نہیں سیرت کی کتاب لکھ رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہ و شریعت بجز سیرت وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابندہ نقوش کے اور کسی چیز کا نام نہیں۔ بقول اقبال ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ "دیں ہمہ اوست" اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

دراصل جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کاسانی اپنے عہد کے ہمہ گیر فکری، عملی اور اعتقادی زوال کا علاج جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کے ذریعہ کر رہے تھے جو فی الواقع ہر نوع زوال کا واحد اور حقیقی مداوا ہے خلاصہ یہ کہ الکاسانی کے نظام تعلیم و تربیت کا محور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

## ۱۱ طلبہ میں ملکۂ علم و تفقہ کی ترسیخ

اوپر ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں حصول علم اور تعلیم کا اصل مقصود ملکۂ علمی اور قوت تفقہ و استنباط کی ترسیخ ہے کہ اصل میں علم نام ہی اس ملکہ راسخہ اور قوت ثابتہ کا ہے ورنہ محض ذخیرہ معلومات کی کوئی وقعت نہیں۔ الکاسانی خود ملکۂ علم و تفقہ سے بہرہ ور عالم تھے اس لیے وہ اپنے طلبہ میں بھی علم تحقیقی، قوت تفقہ اور نظر کی گہرائی و گیرائی پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں جزئیات پر انحصار کی بجائے کلیات اور قواعد کے ذریعہ تعلیم دینے کا طریقہ اپنائے ہوئے تھے جیسا کہ بدائع کے مطالعہ سے عیاں ہے۔ وہ ایسا ذہن تیار کرتے تھے جو معاملات کی ظاہری

---

[1] بدائع، ج ۱ ص ۲۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شکل وصورت کو اختیار کرنے کی بجائے ان کے تہ تک رسائی اور حقائق کے انکشاف کے لیے ہر معاملہ کے اسباب وعلل کا کھوج لگائے اور مبادیات سے پہلے نتائج پر گہرا غور وخوض کرکے حقائق وواقائع کا درست فیصلہ کرے اور اس سلسلہ میں اصل اعتبار ہر چیز کی ہیئت وکیفیت پر کرے نہ کہ اس کی کمیت وضخامت پر یہی کشف حقیقت کا بنیادی اسلوب ہے۔[1]

## ۱۱۱ تعلیم میں اصول تدریج وتنوع کی پاسداری:-

انسانوں کی تعلیم وتربیت میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ ہر انسان ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے پیدائش اور ماحول نیز مشاغل حیات کا اختلاف افراد کے طبائع میں اختلاف پیدا کرتا ہے لہٰذا سب کے لیے ایک ہی قسم کی تعلیم مؤثر نہیں ہو سکتی کیونکہ تعلیم وتلقین مختلف مشاغل وفرائض کے لیے آلات مہیا کرتی ہے اور دین ودنیا کے مختلف مشاغل کی انجام دہی کے لیے اشخاص بھی مختلف ہیں اور ان کے مناسب حال آلات بھی مختلف اس لیے انسانوں کی تعلیم میں ان کی مخصوص طبائع اور ان کے کمال ونقص کے درجات کا لحاظ نہ رکھنا نفع کی بجائے انہیں نقصان پہنچائے گا کہ بقول ہربرٹ سپنسر: تعلیم کا یہ بنیادی اصول ہے کہ مضمون اور طریقہ کی ترتیب قوی (انسانی) کی ترتیب، ارتقاء اور طریقۂ عمل کے مطابق ہونی چاہیئے[2]۔ تربیت وتعلیم کے سلسلہ میں دوسری اہم بات اصول تدریج ہے جو فرد جس منزل حیات اور جس درجۂ ارتقاء میں ہے اس کی صلاحیتیں بھی اس کے مطابق ہوتی ہیں فطرت میں ہر درجے کا قانون الگ ہے، لہٰذا ہر فرد کی تعلیم وتربیت میں اصول تدریج کی پاسداری بھی لازمی ہے۔ پیسٹالوزی نے سچ کہا ہے کہ: تعلیم اپنی ترتیب اور اپنے طریقوں کے لحاظ سے عقلی ارتقاء کے قدرتی عمل کے مطابق ہونی چاہیئے[3]۔ اور یقیناً الکاسانی کا نظام تعلیم وتربیت جو اسلام کے فطری اصول پر مبنی ہے، تنوع اور تدریج کے

---

[1] خلیفہ عبدالحکیم: تشبیہات رومی، ص ۱۷۱

[2] ہربرٹ سپنسر: فلسفۂ تعلیم، اردو، ص ۵۶۔

[3] بحوالہ فلسفۂ تعلیم، ص ۵۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مذکورہ دونوں قوانین کی پوری پوری پاسداری کرتا ہے۔ اور الکاسانی کے طریق تدریس کی یہی بنیادی خوبی تھی جو اس کے پیشرو معلم رضی الدین السرخسی سے نامطمئن طلبہ کو اس قدر مطمئن بلکہ مسحور کر گئی تھی کہ وہ پورا پورا دن استاد کی غیر موجودگی میں اس کی مسند کے گرد بیٹھے منتظر رہتے اور جس وقت بھی استاد آتا وہ نہایت سکون و طمانینت اور پوری ذہنی آمادگی کے ساتھ حصول تعلیم میں منہمک ہو جاتے۔

## ۱۷ شخصی رابطہ اور انفرادی توجہ کے ذریعہ تعلیم و تربیت:

طلبہ کی تربیت اور تعمیر شخصیت میں استاد کی توجہ بنیادی کردار ادا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر قسم کے علم و فن کے حصول کے لیے استاد اور مرشد کی ضرورت ہے استاد کے بغیر تعلیم و تربیت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی تمام درس گاہوں میں تربیت کا ایک بنیادی اصول رائج رہا ہے اور وہ ہے استادانہ تعلیم و ترتیب کے معاملہ میں شخصی رابطہ اور خصوصی انفرادی توجہ کا اصول۔ شخصی تربیت کا یہ طریقہ مسلمانوں کا ایک عام طریقہ رہا ہے جو ہر دور کے تعلیمی دبستانوں اور تربیتی خانقاہوں میں پوری طرح رائج رہا۔ اس سلسلہ میں وقتی پیمانوں کی بھی کوئی قید نہ ہوتی تھی، جیسا کہ الکاسانی کے طریق تدریس کے بارے میں اوپر ہم اشارہ کر آئے ہیں وہ شخصی رابطہ اور انفرادی توجہ کے ذریعہ تعلیم و تربیت کے قائل تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے عملی تعلیم کا طریق اپنا رکھا تھا جس سے طلبہ میں علمی افادہ استفادہ کی اندرونی تحریک کو ہمیشہ قوت ملتی وہ نہ صرف نظریات و وسائل زلیست کا علم حاصل کرتے بلکہ ان میں زندگی گزارنے کا سلیقہ اور ملکہ بھی پیدا ہوتا۔ حرکت و سرگرمی اور عمل کی طاقت بیدار ہوتی اور وہ متحرک و سرگرم انسان بن جاتے۔ اس ضمن میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہ کے طور پر الکاسانی کا یہ قول ان کے نظریۂ شخصی تعلیم و تربیت کا مکمل ترجمان ہے کہ:

احتذ الید عند التعلیم لتاکید التعلیم وتقریرہ عند المتعلم ۔[۱]

---

[۱] بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


یعنی تعلیم کے وقت طالب علم کا ہاتھ پکڑ لینا دراصل انفرادی توجہ کے ذریعہ علم کو ذہن طالب میں راسخ کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

**ثانیاً: افتاء** اسلامی معاشرہ کا ہر فرد مؤمن احکام خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے اور قوانین اسلامی کے نفاذ کا پابند ہے لیکن چونکہ احکام شرعیہ پر عمل پیرائی مبنی ہے "علم و معرفت" پر اس لیے عمل سے پہلے احکام کا علم حاصل کرنا ہے مسلمان کا مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے کہ ارشاد نبوی ہے:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم"

معرفت احکام کے دو ذریعے ہیں۔ ایک براہ راست مصادر شریعت یعنی قرآن و سنت کی طرف رجوع جو تعلیم یافتہ حضرات کا کام ہے اور دوسرا اہل علم سے استفسار جو عوام اور ناخواندہ افراد کا فرض ہے دوسری طرف اسلام اہل علم کی ذمہ داری یہ بتاتا ہے کہ وہ دین کا علم پھیلائیں اور لوگوں کو شریعت کے مقرر کردہ حقوق و فرائض سے آگاہ کریں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

احکام شریعت سے آگہی کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کا عمل استفتاء کہلاتا ہے اور ان مسائل کا شرعی حل پیش کرنا "مفتی" کا کام ہے۔

اسلامی معاشرے میں مفتی کا وجود ناگزیر ہے، بلکہ فقہاء نے تو ہر بستی اور ہر شہر میں ایک اہل مفتی کا وجود امت پر فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل مفتیوں کی تیاری و تربیت اور ادارہ افتاء کی تشکیل و تنظیم کے لیے ضروری وسائل و اقدامات اختیار کرے۔

ابن خلدون کہتا ہے۔

فللخليفة تصفح اهل العلم والتدريس ورد الفتيا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



الی من هو اهل لها واعانته علی ذلك ومنع من ليس اهلا لها وزجره لانها من مصالح المسلمين فتجب عليه مراعاتها، لئلا يتعرض لذلك من ليس له اهلا فيضل الناس[1]

یعنی خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کے لیے علماء اور مدرسین میں سے کسی قابل عالم کو منتخب کرے پھر اسے اس کام میں ہر ممکن سہولت مہیا کرے، نا اہلوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے کیونکہ افتاء مسلمانوں کے مصالح کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس منصب میں نا اہل افراد داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ نہ کرنے پائیں۔

افتاء کی اسی اہمیت کے پیش نظر یہ عظیم منصب اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اجتہادی صلاحیت سے بہرہ ور جلیل القدر فقہاء کو سونپا جاتا رہا۔ الکاسانی اپنے عہد میں فقہ حنفی کا اتنا عظیم مفتی ہے کہ اس دور میں کوئی فتویٰ اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جاتا جب تک اس پر الکاسانی، اس کی علامہ بیوی اور فقیہ استاذ السمرقندی کے دستخط ثبت نہ ہو جاتے۔ ذیل میں ہم الکاسانی کے افتاء کی نمایاں خصوصیات اور تہذیبی ارتقاء کے عمل میں اس کی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

## ۱۔ الکاسانی اہلیت افتاء کے تمام لازمی اوصاف سے متصف ہے

منصب افتاء پر فائز ہونے والے کے لیے فقہاء کرام نے چار شرطیں مقرر کی ہیں اور کاسانی میں یہ چاروں شرائط مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔

۱۔ **اسلام:** مفتی چونکہ احکام خداوندی کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرتا ہے اس لیے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور کاسانی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گہرے یقین اور پرخلوص ایمان پر استقامت کی دولت سے مالا مال ہے۔ وہ ایک ثقہ اور راسخ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



الاعتقاد مؤمن ہے۔

ب۔ **عقل و فہم**:۔ مفتی کے لیے فہم شریعت ضروری ہے اور یہ فہم عقل و بلوغ کا متقاضی ہے اور الکاسانی کی غیر معمولی ذہانت و فطانت حکمت و بصیرت اور فہم و فراست کے بارے میں ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

ج۔ **تقویٰ و اخلاص**:۔ دوسروں کو شریعت کی تعلیم و تلقین کرنے والے مفتی کے لیے بذات خود احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا اور تقوی و عدالت سے متصف ہونا بدیہی ضرورت ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں، الکاسانی تقویٰ و دیانت اور زہد و اخلاص کی دولت سے پوری طرح مالا مال ہے۔

د۔ **اجتہاد**:۔ مفتی کے لیے کسی نہ کسی درجے میں اہلیت اجتہاد کا ہونا ناگزیر ہے اور الکاسانی کا پایۂ اجتہاد ملکۂ علم و تفقہ اور قوت استنباط و استدلال ہم اجاگر کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک مفتی کے لیے شریعت اسلامیہ کی رو سے جن لازمی اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے کاسانی ان تمام اوصاف سے پوری طرح بہرہ ور ہونے کے ناطے منصب افتار کی حقیقی اہلیت رکھتا ہے۔

## ۲۔ کاسانی نے فتویٰ کی بنیاد تقویٰ پر استوار کی:۔

ہم شروع میں اشارہ کر آئے ہیں کہ الکاسانی نے اپنے تمام فتاویٰ اور استنباطات میں تقویٰ و تزکیہ کے تقاضوں کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے کہ احکام فقہیہ کی اساس ہی تقویٰ پر استوار کی ہے اور یہ کاسانی کی بہت بڑی امتیازی خوبی ہے کیونکہ عام طور سے فقہ میں فتویٰ اور تقویٰ کے مابین امتیاز کیا جاتا ہے اور پیروئ احکام شریعت کو دیانۃ اور قضاۃ کے دو خانوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ جس کا سب سے زیادہ منفی اثر تعمیر سیرت کے عمل پر یہ مرتب ہوتا ہے کہ لوگوں میں روح قانون کی پیروی کے بجائے لفظ قانون کے تقاضوں کی تکمیل اور اس سلسلہ میں تحاویل یعنی حیلہ سازی کا رجحان ابھرتا ہے۔ الکاسانی اس منفی رجحان کو مٹانے کی خاطر اپنے ہر فتویٰ کی بنیاد تقوی، تزکیہ اور احتیاط کے اصولوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



استوار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند نظائر پہلے پیش کی جا چکی ہیں، یہاں مزید ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

رضاعت کے بیان میں کہتے ہیں۔

لا تجبر الام علی ارضاعه الا ان لا یوجد من ترضعه فتجبر علیه .... لانه تعالیٰ قال: "لا تضار والدة بولدها" فدل ان الرضاع لیس علی الام .... واما فی الفتوی فتفتی بانها ترضعه .... ولان النکاح عقد سکن وازدواج وذلک لا یحصل الا باجتماعهما علی مصالح الناس ومنها ارضاع الولد یفتی به [1]

یعنی ماں کو بچے کی رضاعت پر مجبور نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ کوئی اور دودھ پلانے والی نہ ہو کیونکہ ارشاد خداوندی "لا تضار والدة بولدها" اس پر دلالت کرتا ہے کہ ماں پر رضاعت واجب نہیں۔ لیکن فتوٰی بر بنائے تقوی یہی دیا جائے گا کہ ماں بچے کو دودھ پلائے اس لیے بھی کہ نکاح باہمی ارتباط و مودت پر مبنی عقد ہے اور یہ باہمی تسکین و مودت بجز اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ خاوند، بیوی دونوں مصالح زیست کی تکمیل میں باہم تعاون کریں اور بچے کو دودھ پلانا بھی انہی واجب التکمیل مصالح حیات میں سے ہے لہٰذا اس کے لزوم کا فتوٰی دیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فتوٰی فقہ کے ظاہری حکم کی رو سے نہیں (جو کہ ماں پر رضاعت کو لازم نہیں ٹھہراتا) بلکہ تقوٰی و اخلاص، عقد نکاح کے نفسی و روحانی تقاضوں کی تکمیل اور مصالح زیست کی تحصیل میں باہمی تعاون کے خالص اخلاقی اصولوں اور جذبات پر مبنی ہے۔ کاسانی کے فتوٰی کی اساس تقوٰی پر رکھنے کے سلسلہ میں بدائع سے ایک مثال جو ہم پیچھے کاسانی کے وصف تقوٰی و عدالت کے ضمن میں بیان کر آئے، یہاں اس کے پورے الفاظ کو دہرا دینا اہل بصیرت کے لیے یقین افروز ہو گا۔

وہ کہتے ہیں۔

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۴، ص ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"لوظهر اهل البغی علی مدينة من مدائن اهل العدل او قرية من قراهم وغلبوا عليها فاخذوا صدقات سوائمهم وعشور اراضيهم وخراجها ثم ظهر عليهم امام العدل لا يأخذ منهم ثانيا لان حق الاخذ للامام لاجل الحفظ والحماية ولم يوجد الا انهم يفتون فيما بينهم وبين ربهم ان يؤدوا الزكوٰة والعشور ثانيا[1]

## ۳۔ کاسانی مذاہب فقہیہ کے گہرے تقابلی مطالعہ کے بعد فتویٰ دیتے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا فتویٰ دینا کس کو جائز ہے؟ فرمایا اسے جو اختلافات علماء سے واقف ہو[2] چنانچہ اس لحاظ سے جب ہم الکاسانی کے علم و تعلیم، افتاء اور تصنیف و تالیفات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس امر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ موصوف تمام معتبر مذاہب فقہیہ کے مختلف نظریات مواقع اختلاف، اسباب اختلاف اور مبادئ استدلال پر گہری تقابلی نظر رکھتے ہیں اس لیے وہ یقیناً ہر معاملہ میں فتویٰ دینے سے پہلے تمام فقہی آراء کا تقابلی جائزہ لے کر علی وجہ البصیرت جس رائے کو پختہ دلائل پر مبنی، حق سے قریب تر، اور عصری تقاضوں کی تکمیل کے لیے زیادہ زیادہ موزوں پاتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ وہ اجتہاد ترجیحی اور تخریجی سے بڑھ کر اجتہاد مذہبی کے مرتبہ پر فائز ہیں اور ترجیح و تخریج کے علاوہ پیش آمدہ مسائل میں اصول امام کے مطابق جدید احکام کے استخراج کی بھی پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بدائع کے ہر ہر صفحہ پر بیسیوں نظائر بکھری ہوئی ہیں لہٰذا ہم قارئین کرام کو مطالعۂ کتاب کی ترغیب پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

## ۴۔ کاسانی نے فتویٰ کو سماجی اور تہذیبی ارتقاء کے عمل سے وابستہ کر دیا

اسلامی معاشرہ میں افتاء کی اہمیت صرف ایک مذہبی اور نیم تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے

---

[1] بدائع الصنائع: ۲: ۳۶
[2] ابن عبد البر۔ العلم والعلماء، ص ۱۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہی نہیں بلکہ درحقیقت افتاء ایک مکمل تہذیبی عمل ہے جو مذہبی، تعلیمی، دعوتی، عدالتی اور دیگر تمام سماجی و تمدنی پہلو رکھتا ہے۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر اور تہذیبی ارتقاء میں ایک مفتی کا کردار بنیادی اور ہمہ گیر ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

سماجی عمل کی بنیاد تمام افراد و طبقات معاشرہ کے باہمی حقوق و فرائض کی حفاظت و تکمیل پر قائم ہے یہ حقوق و فرائض اسلام نے واضح طور پر متعین کر دیے ہیں لیکن حقوق کے تحفظ، فرائض کی حسن ادائیگی، اور احکام شرعیہ پر عملدرآمد کا انحصار افراد کی اخلاقی تربیت کے ذریعہ انفرادی رضاکارانہ جذبۂ اطاعت اور ذمہ داری و جواب دہی کا گہرا احساس پروان چڑھانے پر ہے اور اسلامی معاشرہ میں مفتی یہ کام انجام دیتا ہے جو لوگوں کے حقوق کی پاسداری اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا جذبہ و احساس راسخ کرنے میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اور الکاسانی کے فتاویٰ و استنباط احکام پر نظر ڈالی جائے تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ بطور ایک مفتی کے ابلاغ و تفہیم احکام سے زیادہ تعمیر سیرت اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ روح قانون اور مقاصد شریعت کی پیروی کا باطن احساس اجاگر کرنے کو اپنا مقصد اور ملی فریضہ سمجھتا ہے، اس سلسلہ میں ہم پیچھے الکاسانی کے اوصاف کے بیان ہیں اور فتویٰ و تقویٰ کے امتزاج کے ضمن میں بدائع سے بعض نظائر بیان کر آئے ہیں۔

یہاں صرف قارئین کرام کو بدائع جلد دوم میں خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق و فرائض کی بحث کا مطالعہ کرنے کی دعوت دینے پر اکتفار کرتے ہیں۔

ب۔ معاشرہ میں اسلامی احکام پر عملدرآمد، امن و امان کے استقرار، عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد کے انسداد کے لیے تنہا قانون کا جبر اور حکومت کا اداراتی نظام کچھ نہیں کر سکتا بلکہ رائے عامہ ( Positive Morality ) جو ایک قابل قدر اور ضروری احتسابی قوت ہے، معاشرتی اصلاح اور قیام عدل و انصاف اور تہذیبی ترقی میں قانون اور دیگر حکومتی اقدامات کے ساتھ برابر کا کردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ادا کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے باہمی معاملات جب اخلاقی اقدار اور عدل کی راہ سے ہٹ جائیں تو اس فساد و اختلال کے خلاف اجتماعی ضمیر میں احتجاج و اضطراب پیدا ہو جاتا ہے جس سے بالآخر فساد کے عناصر کا قلع قمع ہو کر معاشرتی استقرار بحال ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مفتی لوگوں کے باہمی حقوق کی حفاظت، فرائض کی حسن ادائیگی اور تنازعات کے عادلانہ اسلامی حل تلاش کرنے کے لیے رائے عامہ کو ہموار اور اجتماعی ضمیر کو بیدار کر کے بالواسطہ طور پر سماجی استحکام اور تمدنی ترقی میں بھرپور حصہ لیتا ہے چنانچہ زیر تنقید مفتی الکاسانی اس ضمن میں اپنے عمل کی نوعیت، اہمیت اور مقاصد سے پوری طرح آگاہ ہے اور اپنے جملہ فتاویٰ سے انفرادی باطنی ضمیر کے استحکام اور اجتماعی احتسابی قوت کو فعال بنانے کا کام لے رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض شواہد اور بیان ہوئے ہیں اور باقی تفصیل آگے بدائع کے تجزیاتی مطالعہ کے ذیل میں آ رہی ہے۔

ج۔ اسلام سماج کی تعمیر، تمدن کے قیام اور عدل و انصاف کے استقرار میں محض جامد قانون پر انحصار نہیں کرتا بلکہ تغیر پذیر زندگی کے معاملات سے متعلق اکثر امور مفتی اور مجتہد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل کی خصوصی نوعیت، لوگوں کی مصالح مرسلہ، حالات و زمانہ کے تقاضوں اور روح شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عدل و انصاف پر مبنی بہترین اسلامی حل پیش کر سکے یہی وجہ ہے کہ مفتی کے لیے سائل کے شہر یا بستی کے رسوم و عادات، حقیقی اسلامی طرز حیات اور تغیر پذیر زندگی کے تقاضوں پر گہری نظر رکھنا ضروری ہے۔

بنا بریں معاشرے میں نفاذ قانون اور قیام عدل کے دیگر تمام عدالتی و نیم عدالتی، ادارتی و انتظامی اور سماجی و عمرانی اداروں کی دینی اور سماجی مسائل میں رہنمائی مفتی ہی کا فریضہ ٹھہراتا ہے اور یہیں سے معاشرتی نظام کے احکام اور تمدنی کی ترقی میں ایک مفتی کا بنیادی کردار واضح ہو جاتا ہے۔ ہمارے ممدوح الکاسانی کے افتاء کی ایک اساسی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ملت اسلامیہ کے ہمہ گیر عہد انحطاط میں افتاء کے عمل کو سماجی اداروں کی تعمیر نو، تہذیبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عمل کے استحکام وارتقاء اور دینی وایمانی مقاصد کی تکمیل کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کیا جیسا کہ متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں بیان کردہ شواہد ونظائر سے بخوبی عیاں ہے۔

**ثالثا۔ مناظرات علمیہ:** عہد کاسانی میں فقہی اور کلامی ہر دو قسم کے مناظرات ومباحثات بہت شائع اور عام ہوگئے تھے یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو مجالس مناظرہ سے خالی ہو جدل ومناظرہ کی یہ مجالس عوامی سطح پر بھی منعقد ہوتیں اور امراء و وزراء کے مجالس میں بھی۔ اکثر وبیشتر ان مناظروں کے مقاصد خالص علمی اور مذہبی ہوتے تھے مگر کبھی کبھار سیاسی محرکات بالخصوص حکمرانوں کے مفادات بھی ان کی بنیاد بن جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مناظروں کو صرف منفی پہلوں سے دیکھا جاتا اور ملی وحدت کے لیے مضر خیال کیا جاتا ہے جب حقیقت یہ ہے کہ علمی مناظرے نہ صرف یہ کہ تعلیمی، تربیتی اور اصلاحی لحاظ سے بھرپور افادیت رکھتے ہیں بلکہ شرعی اعتبار سے مندوب اور بعض اوقات واجب کا درجہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ الکاسانی کے جلیل القدر معاصر حجۃ الاسلام الغزالی علمی وفقہی مناظروں کی شرعی حیثیت اور افادیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

اما المحصلون فلا يتناظرون فى الفروع لذلك لكن يعتقدون وجوب المناظرة لغرضين واستحبابها لستة اغراض، اما الوجوب ففى موضعين: احدهما ان يحون انه يكون فى المسئلة دليل قاطع من نص اوما فى معنى النص او دليل عقلى قاطع فيما يتنازع فيه تحقيق مناط الحكم ولو عثر عليه لامتنع الظن والاجتهاد فعليه المباحثة والمناظرة حتى ينكشف انتفاء القاطع الذى يأثم ويعصى بالغفلة عنه - الثانى ان يتعارض عنده دليلان ويعسر عليه الترجيح فيستعين بالمباحثة على طلب الترجيح . . . واما الندب ففى مواضع: الاول، ان يعتقد فيه انه معتقد لما يقوله غير معتقد له وانه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انما يخالف جدالا وعنادا ونكرا فيناظر ليزيل عنهم معصية سوء الظن ويبين انه يقول عن اعتقاد واجتهاد - الثانی، ان ينسب الی الخطاء وانه قد خالف دليلا قاطعا فيعلم جهلهم فيناظر ليزيل عنهم الجهل كما ازال فی الاول معصية التهمة، الثالث: ان ينبه الخصم علی طريقه فی الاجتهاد حتی اذا فسد ما عنده لم يتوقف ولم يتخير وكان طريقه عنده عتيدا يرجع اليه اذا فسد ما عنده وتغير فيه ظنه - الرابع: ان يعتقدان مذهبه اثقل واشد وهو لذلك افضل واجزل ثوابا فيسعی فی استجرار الخصم من الفاضل ومن الخلق الی الاحق - الخامس: انه يفيد المستمعين معرفة طرق الاجتهاد ويذلل لهم مسلكه ويحرك دواعيهم الی نيل رتبة الاجتهاد ويهديهم الی طريقة فيكون كالمعاونة علی الطاعات والترغيب فی القربات - السادس وهو لاهم وهو ان يستفيد هو وخصمه تذليل طرق النظر فی الدليل حتی يترقی من الظنيات الی ما الحق فيه واحد من الاصول فيحصل بالمناظرة نوع من الارتياض وتشحيذ الخاطر وتقوية المنة فی طلب الحقائق ليترقی به الی نظر هو فرض عينه ان لم يكن فی البلد من يقوم به او كان قد وقع الشك فی اصل من الاصول او الی ما هو فرض علی الكفاية اولا بد فی كل بلد من عالم علی يكشف معضلات اصول الدين وما لا يتوصل الی الواجب الا به فهو واجب متعين وان كان اليه طريق سواه فيكون هو احدی خصال الواجب فهذا فی بعض الصور يلتحق بالمناظرة الواجبة -[له]

---

له الغزالی: المستصفی، ج ٢، ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی حقیقی اہل علم حضرات فروع فقہیہ میں سلبی اغراض کی خاطر مناظرے نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک دو صورتوں میں مناظرہ کرنا واجب اور چھ صورتوں میں مستحب ہے۔

وجوب مناظرہ کی دو صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ کسی معاملہ میں منصوص یا معقول دلیل قطعی موجود ہو لیکن کوئی عالم اس دلیل سے ناواقف ہونے کی بنا، پر ظن و اجتہاد سے کام لیتا ہو جو کہ ناجائز ہے تو اس صورت میں دلیل قاطع کے اثبات یا نفی کے لیے مناظرہ کرنا واجب ہے۔

۲ وجوب مناظرہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی معاملہ میں فقیہ دو دلیلوں کو متعارض سمجھے اور ان میں کسی کو ترجیح نہ دے پائے تو مناظرہ و مباحثہ سے اس ترجیح کے سلسلہ میں مدد لینا واجب ہے۔

استحباب مناظرہ کی صورتیں مندرجہ ذیل ہوں۔

۱۔ کسی عالم کے بارے میں اگر لوگ یہ گمان رکھتے ہوں کہ وہ محض حسد و عناد کی بنیاد پر اپنے موقف پر مصر ہے تو اس اس غلط فہمی اور سوئے ظن کے ازالہ کے لیے مناظرہ کرنا مستحب ہے تاکہ وہ جرم اتہام سے بچ جائیں۔

۲۔ یا یہ کہ لوگ اس عالم پر قطعی دلیل سے ناواقفیت کا الزام لگائیں اور اس سلسلہ میں وہ خود غلطی پر ہوں تو ان کی اس غلطی اور جہالت کے ازالہ کے لیے مناظرہ کرنا مندوب ہے۔

۳۔ اس فرض سے مناظرہ کرنا کہ فریق مقابل اپنے طریق استدلال کی غلطی پر متنبہ ہو کر درست طرز استدلال کو اپنا لے۔

۴۔ اس اعتقاد کے ساتھ مناظرہ کرنا کہ میرا فقہی مذہب شدت و عزیمت پر مبنی ہونے کی وجہ سے افضل اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہے لہٰذا فریق مقابل میرے مذہب کی طرف رجوع کرلے تاکہ فضیلت اور زیادہ ثواب کا استحقاق پائے۔

۵۔ سامعین کو اجتہاد و استنباط کے طرق سے آگاہ کرنے اور اہلیت اجتہاد کے حصول کا داعیہ ابھارنے کے لیے مناظرہ کرنا ایسا ہو گا جیسا کہ نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۶۔ مناظرہ کا اہم اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر دو فریق دلائل شرعیہ میں غور و فکر اور ظنیات سے بلند ہو کر کلیات تک رسائی کی استعداد پیدا کرنے میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں یوں یہ مناظرہ ذہنی و فکری ریاضت، قوائے قلبیہ کی تقویت اور حقائق رسی کی خواہش و اہلیت کے حصول کے ذریعہ تعلیم دین کے فرض عین یا فرض کفایہ کی تکمیل کا وسیلہ ٹھہرے گا اور واجب کا ذریعہ بھی وجوب کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا اس آخری غرض کے لیے مناظرہ کرنا بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔

حجۃ الاسلام الغزالی کے اس بیان کے مطابق حقیقی علماء کے علمی و فقہی مناظرے تمام سلبی نتائج سے قطعاً مبرا ہوتے ہیں اور مختلف تعلیمی، تربیتی اور اصلاحی مقاصد کی تکمیل کی خاطر وجوب و استحباب کی شرعی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ الغزالی کا جلیل القدر معاصر فقیہ الکاسانی اپنے تمام مناظرات و مباحثات میں غزالی کے بیان کردہ مقاصد و فوائد کو یقیناً پیش نظر رکھتا تھا بلکہ بدائع الصنائع کی روشنی میں کاسانی کے افکار و احساسات اور اس کے مناظرات کا جائزہ لینے پر یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ موصوف کے فقہی و کلامی مناظروں کی نوعیت خصوصیات اور فوائد غزالی کے پیش کردہ امور سے بھی فائق اور زیادہ ہیں۔ سطور ذیل میں مناظرات کاسانی کا ایک عمومی اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ تعلیمی و تربیتی نظام کی آبیاری، فقہی و کلامی ارتقاء اور استقراء تمدن میں موصوف کی خدمات کا یہ پہلو بھی اجاگر ہو سکے۔

## مناظرات کاسانی کی نوعیت و خصوصیات:

عہد کاسانی کے علمی مناظروں کی عمومی نوعیت تو تمدنی و ثقافتی ماحول اور علمی و تہذیبی کیفیت کے حوالے سے ہی متعین ہوتی ہے کہ ایک طرف یہ تمدنی انحطاط کا عہد تھا اور دوسری جانب علمی و فقہی مناظرے اس قدر شائع اور عام ہو گئے تھے کہ ہر بڑے شہر میں عوامی و سرکاری سطح پر تقریباً ہر روز مجلس مناظرہ منعقد ہوتی رہتیں ایسے میں اغلباً مناظرے "عوامی نوعیت" اختیار کر گئے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر ان مناظروں میں فنی ضوابط اور مجلسی آداب کم ہی ملحوظ رکھے جاتے لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا اکابر علماء [illegible] علمی [illegible] ضوابط و آداب کے پابند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہوتے"۔ چنانچہ الکاسانی کے مناظرے ہمیں حسب ذیل نوعیت اور خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں۔

## ۱۔ الکاسانی شدید ضرورت کے وقت ہی مناظرہ میں حصہ لیتے

الکاسانی بلا ضرورت

مناظروں اور مباحثوں میں شرکت کو روا نہیں رکھتے الا یہ کہ کوئی انتہائی حساس اور بنیادی ایمانی مسئلہ زیر بحث ہو۔ چنانچہ ایسے دور میں جب کہ ہر روز صبح سے شام تک بیسیوں مجالس مناظرہ منعقد ہوتی ہیں الکاسانی کی صرف دو یا تین مناظروں میں شمولیت اور وہ بھی فریق مقابل کے انتہائی اصرار پر، اس امر کی شاہد ہے کہ موصوف ایک نہایت سنجیدہ اور متین عالم دین ہیں جو حصول شہرت یا جاہ طلبی کی خاطر عوامی نوعیت کے مباحثوں میں خواہ مخواہ حصہ لینے کے روادار نہیں بلکہ صرف اسی وقت مناظرہ کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں جب خالص دینی یا تبلیغی اور اصلاحی مقاصد کی خاطر مناظرہ شرعی طور پر وجوب یا استحباب کا درجہ رکھتا ہو یا پھر فریق مقابل شدید اصرار کر کے انہیں مناظرہ کرنے پر مجبور کر دے اور اس صورت میں بھی وہ مجادلہ برائے مجادلہ سے ہر ممکن احتراز کرتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ جب الکاسانی دمشق پہنچے تو وہاں کے علماء آپ سے مناظرہ کے لیے آئے اور اس سلسلہ میں آپ کو آمادہ کرنے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں گفتگو نہیں کروں گا جس کی طرف کوئی ایک بھی امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے گیا ہوگا انہوں نے بہت سے مسائل بیان کیے مگر آپ نے ایک ایک کے بارے میں تفصیل سے ثابت کر دیا کہ اس کی طرف امام اعظمؒ کے خلاف فلاں اصحاب گئے ہیں پس اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا[1] اس سے عیاں ہے کہ الکاسانی بلا ضرورت مناظرہ نہ کرتے اور اگر مجبوراً مناظرہ کرنا بھی پڑتا تو غیر ضروری بحث سے احتراز کرتے البتہ حساس دینی اور اعتقادی مسائل میں آپ ایک ثقہ اور راسخ العقیدہ عالم کی حیثیت سے معتزلہ، اہل بدعت اور دیگر بد اعتقاد

---

[1] الجواہر المضیئۃ، ج ۲، ص ۲۴۵ ؛ الحدائق الحنفیۃ، ص ۲۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گروہوں کا شدید رد کرتے رہتے[1] کیونکہ اس صورت میں باطل کی تردید شرعاً واجب ہے۔

## ۲۔ الکاسانی کے مناظرے وسعت و جامعیت کی شان لیے ہوتے۔

بنیادی طور پر الکاسانی کے مناظرے فقہی، اصولی یا کلامی نوعیت کے ہوتے تھے چنانچہ تاریخ میں ان کے ایک فقہی اور ایک اصولی مناظرے کی روداد ملتی ہے جب کہ اعتقادی مستقل کتاب "السلطان المبین فی اصول الدین" بھی تصنیف فرمائی۔ لیکن عمیق تجزیہ کرنے سے الکاسانی کے توسیعی اور جامعیتی مزاج کی جھلک ان کے مناظروں میں بھی مل جاتی ہے کہ ان کا ہر مناظرہ علمی لحاظ سے تنوع، وسعت معلومات اور گہری تنقیدی بصیرت کا آئینہ دار ہے وہ جس طرح اپنی تصانیف میں ہر معاملہ کو اس کے تمام پہلوؤں اور اغراض و ابعاد سمیت بیان کرتے ہیں اسی طرح مناظروں میں بھی مسئلہ زیر بحث کے تمام موضوعی اور فنی رخ پیش نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اصولی اور فقہی مناظروں میں وہ فریق مقابل پر بیک وقت روایتی، درایتی اور نفسیاتی زاویوں سے حملہ آور ہوتے ہیں جس سے ان کے خصم مرعوب ہو کر اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو کر فوراً شکست تسلیم کر لیتے ہیں۔

## ۳۔ الکاسانی مناظروں میں ٹھوس علمی اصولوں، فنی ضوابط اور مجلسی آداب کی پابندی کرتے

الکاسانی کی شخصیت اصول پسند، جمالیت و نفاست کی دلدادہ، خودداری و خود اعتمادی سے سرشار، تنظیم و تربیت کی خوگر اور ثبات و استقلال سے بہرہ ور ہونے کے ناطے زندگی کے ہر معاملہ میں ان طبعی اوصاف کی پابند ہے۔ چنانچہ الکاسانی کے مناظرے میں بھی ہمیں ان اوصاف کو بھرپور جھلک نظر آتی ہے۔ وہ ہر مناظرے میں از ابتدا تا انتہا طے شدہ علمی اصولوں، مباحثہ و مناظرہ کے فنی ضوابط اور عام تمدنی و مجلسی آداب کی خود بھی پوری پوری پابندی کرتے ہیں اور اپنے فریق مقابل سے بھی بجا طور پر اس کی توقع رکھتے ہیں۔ اوپر دمشق میں ہونے والے ایک فقہی مناظرے کی مختصر

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۷، ص ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



روداد بیان ہوئی جس سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ الکاسانی مناظرہ میں حصہ لینے سے پیشتر مناظرہ کی حدود، دائرہ بحث اور طریق کار کا تعین کرتے ہیں اور موضوع مناظرہ پر بحث سے پہلے مسلمہ عمومی حقائق کی وضاحت کرتے ہوئے مرحلہ بہ مرحلہ آگے بڑھتے ہیں اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فریق مقابل شروع ہی سے معاندانہ روش ترک کر کے افہام و تفہیم اور قبول حق کے جذبہ سے بحث کرتا ہے اور جس مرحلہ پر بھی اختلاف کا حقیقی نقطہ اتفاق رائے سے طے ہو جائے نہایت خوش اسلوبی سے پرسکون ماحول میں مناظرہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دمشق کے فقہی مناظرے میں ہوا کہ کاسانی موضوع بحث کے تعین کی خاطر مسلمہ عمومی حقائق پر مدمقابل علماء کو ساکت دقائل کرتے کرتے اس مقام پر لے آئے جب ان کے پاس مزید کوئی سوال یا اختلافی نقطہ ہی نہ بچا اور یوں کاسانی نہایت اطمینان سے میدان مناظرہ اور ساتھ ہی فریق مقابل کا دل بھی جیت گئے۔

## ۴۔ الکاسانی کے مناظرے غیرت ایمانی اور حمیت مذہبی کے آئینہ دار ہیں

پیچھے اوصاف کاسانی کے ضمن میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ موصوف کی خودداری و خوداعتمادی کا نمایاں مظہر ان کی غیرت ایمانی اور حمیت مذہبی ہے جس کا انعکاس ان کے تربیتی و تعلیمی نظام، فقہی و اصولی تصانیف، شرعی فتاوی اور علمی مناظروں سبھی میں بہت واضح اور نمایاں ہے چنانچہ سلجوقی دربار میں اصول فقہ کے معروف مسئلہ "تصویب مجتہد" پر ایک مناظرے کے دوران اپنے خصم کی جہالت ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کے مقابلے میں الکاسانی نے اپنی غیرت ایمانی اور حمیت مذہبی کا بھرپور عملی مظاہرہ کیا اور اس سلسلہ میں سلطان کا خوف، دربار سے وابستگی برقرار رکھنے کی خواہش، اور جاہ و مال کی محبت وغیرہ ایسے وقتی محرکات و عوامل ان کی خودداری و خوداعتمادی اور غیرت ایمانی و حمیت مذہبی پر ذرا بھی غالب نہ آسکے جو ان کی عظمت کردار کا بین ثبوت ہے۔

## مناظرات کاسانی کے مقاصد و فوائد

اوپر ہم کہہ آئے ہیں کہ الغزالی نے ایک حقیقی عالم کے فقہی مناظروں کے جو شرعی اور تمدنی و تربیتی مقاصد بیان کیے ہیں الکاسانی اپنے تمام فقہی، اصولی اور کلامی مناظروں میں یقیناً ان تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مقاصد و فوائد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اور ان کے علاوہ کچھ اور تعلیمی اور اصلاحی مقاصد کی تکمیل کے لیے بھی مناظروں کو استعمال کرتا ہے۔ ہم ذیل میں انتہائی اختصار کے ساتھ مناظرات کاسانی کے چند نمایاں مقاصد و فوائد کا عمومی تذکرہ کرتے ہیں۔

**۱۔ قوائے ذہنی کی تہذیب اور بالیدگی** مقاصد تعلیم کے سلسلہ میں پیسٹالوزی کے قول: Education is a natural harmonious and progressive development of man's innate powers. یعنی تعلیم انسان کی تمام طبعی صلاحیتوں کا فطری مسلسل اور ہم آہنگ ارتقاء ہے، سے عیاں ہے کہ تعلیم و تربیت کا ہر براہِ راست اور بالواسطہ ذریعہ انسان کے قوائے ذہنی کی بالیدگی اور نشو و نما میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے علمی مناظرہ و مباحثہ بھی یقیناً نظام تعلیم و تربیت کا ایک حصہ ہے لہٰذا اس کا مقصد بھی قوائے انسانی کی تہذیب اور بالیدگی ہے۔ جیسا کہ الغزالی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ:

فیحصل بالمناظرة نوع من الارتیاض وتشحیذ الخاطر وتقویة المنة فی طلب الحقائق لیترقی به الی نظر هو فرض عینه ۔ [1]

بناء بریں یہ یقینی امر ہے کہ الکاسانی جو بنیادی طور پر ایک ماہر تعلیم اور مدرس و مربی ہے دیگر تمام ذرائع تعلیم کی طرح مناظروں سے بھی اپنی، فریق مقابل کی اور سامعین و حاضرین کی قوائے ذہنی و فکری کی تہذیب و تشحیذ اور ارتقاء و بالیدگی کا کام لیتا ہے جیسا کہ مناظرات کاسانی کی نوعیت و خصوصیات کے ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارے کیے جا چکے ہیں۔

**۲۔ ملکۂ علم و تفقہ کا رسوخ** ملکۂ علم و تفقہ کی توسیع کے لیے مناظرہ کی افادیت مسلم ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے، ملکہ پیدا کرنے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ طلباء کثرت کے ساتھ علمی مسائل میں باہمی مذاکرے اور مناظرے کرتے رہیں اس طرح بہت جلد ہی ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور طالب علم ماہر فن بن جاتا ہے۔" [2]

---

[1] الغزالی: المستصفیٰ، ج ۲ ص ۱۱۴۔

[2] مقدمہ ابن خلدون، ج ۲: ص ۳۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



غزالی کے بیان میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ اور اس امر کا یقین کرنے کے کافی شواہد موجود ہیں کہ جس طرح الکاسانی کی ذات میں ملکۂ علم و تفقہ اور قوت استدلال و استنباط کے رسوخ میں زمانۂ طالب علمی کے مباحثوں اور مذاکروں نے بنیادی کردار ادا کیا تھا اسی طرح وہ بطور ایک مفتی و مدرس کے اپنے علمی و فقہی مناظروں سے طلبہ، عوام اور علماء میں بصیرت اور ملکۂ استنباط کی ترسیخ کے مقاصد حاصل کرتے رہے اور یوں بالواسطہ طور پر طاعات میں معاونت کے ذریعہ اجر و ثواب کا استحقاق حاصل کرتے رہے ہیں۔

## ۳۔ مختلف افکار و نظریات کا تنقیدی اور تقابلی مطالعہ

علمی مناظرہ کا ایک یقینی فائدہ یہ ہے کہ اس سے فریقین کو ایک دوسرے کے علمی نظریات، فقہی آراء، اصولی افکار اور کلامی اعتقادات کے گہرے تنقیدی اور تقابلی مطالعہ کا موقع ملتا ہے جس سے ایک طرف تو نظر میں وسعت اور گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی ہے اور دوسری جانب دلائل کی روشنی میں ظنیات سے نکل کر قطعیات و یقینیات کے دائرے میں داخل ہونے اور غلط نظریات کو چھوڑ کر حق کی جانب رجوع کرنے کی توفیق میسر آتی ہے اور یقیناً الکاسانی کے مناظروں کا ایک بنیادی مقصد مختلف مذاہب فقہیہ کی آراء اور اصولی تصورات نیز مختلف کلامی نظریات کا گہرا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ بھی رہا ہے جس سے خود کاسانی نے بھی اپنے نظریات کی تشکیل میں بھرپور فائدہ اٹھایا جیسا کہ بدائع کے مطالعہ سے پوری طرح عیاں ہوجاتا ہے اور اپنے خصوم کو بھی پورے پورے استفادہ کا موقع فراہم کیا اور ساتھ ہی عوام بھی مختلف مذاہب کے مابین موازنہ اور محاکمہ کے ذریعہ فطرت حق سے قریب تر اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بہتر اور افضل مذہب کے اختیار کا شعور و احساس بھی دیا۔

## ۴۔ حق کی طلب و قبول کے شعور اور داعیات کی تعمیم

علمی مناظرات اور بالخصوص اعتقادی اور ایمانی مسائل پر مناظرات کا بنیادی مقصد یہ ہوا کرتا ہے فریقین باہم مل کر دلائل عقلیہ و نقلیہ اور حقائق واقعیہ کی روشنی میں حق کی جستجو کریں اور جب حق و درست موقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بالاتفاق ثابت اور طے ہو جائے تو دونوں فریق شرح صدر کے ساتھ غلط نظریات سے رجوع کر کے حق کو قبول کر لیں ہمارے ممدوح الکاسانی کے کلامی اور اصولی مناظرات کا بھی ایک مقصد ہمیشہ یہ رہا کہ وہ عوام اور فریق مناظرہ کے دل میں یہ احساس جاگزیں کر دیں کہ مناظرہ جستجوئے حقیقت کا ایک ذریعہ ہے اور انکشاف حقیقت پر اس کا قبول کر لینا سب کے لیے ضروری ہے اس معاملہ میں کاسانی اس قدر حساس ہے کہ اس کے نزدیک خطاء و لغزش خواہ فکری اور اعتقادی ہو یا فقہی اور عملی ہر آئینہ حتی الامکان واجب الاحتراز اور جائز المؤاخذہ ہے اس لیے وہ لوگوں کو ہر قدم پر فکری اور عملی خطا اور سہو سے بھی بچنے اور حق و راستی پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتا ہے، وہ کہتا ہے:

التحرز عن فعله (الخطاء) ممکن فی الجملة وحفظ النفس عنه مقدور فكان جائز المواخذة عليه لكن الله تعالى رفع المواخذة عليه رحمة وفضلا بـبركة دعاء النبی صلی الله عليه وسلم [1] ولهذا يجب الاستغفار والتوبة عن فعل الخطاء والنسیان [2]

یعنی خطا اور نسیان سے احتراز ممکن ہے لہٰذا اس پر مؤاخذہ بھی جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مؤاخذہ اٹھا لیا لیکن خطا اور نسیان کے عمل سے ہمیشہ توبہ اور استغفار کرتے رہنا واجب ہے۔

یہ تھیں علامہ ابوبکر بن مسعود الکاسانی کی چند اساسی دینی و عملی خدمات جو انہوں نے چھٹی صدی ہجری کے عہد پر آشوب میں رب کریم کی توفیق و عنایت اور خداداد جذبہ و استعداد کے سہارے انجام دیں اور جن کے ذریعہ اسلام کی دینی اقدار کے فروغ و استحکام اور تہذیبی تشخص کے استقرار میں نمایاں کردار ادا کیا لیکن تعلیم و تربیت، افتاء و اجتہاد اور مناظرہ و مباحثہ کے

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۲۵۲۔

[2] ایضاً، ج ۳، ص ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



علاوہ ملک العلماء الکاسانی کا سب سے اہم اور نمایاں کارنامہ تصنیف و تالیف ہے جو فی الواقع ان کی فکر و استعداد کا اصل میدان اور ان کی تہذیبی و ملی خدمات کا حقیقی آئینہ ہے۔

بنا بریں ملک العلماء الکاسانی کی تصنیفی خدمات کا جائزہ ایک مستقل مضمون کا متقاضی ہے جسے ہم آئندہ کسی فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان

---

© rasailojaraid.com